إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾

" جب قیامت قائم ہو جائے گی،
جس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔"

سلسلہ نمبر : 55
ذی الحجہ 1437ھ / ستمبر 2016ء

قیمت فی شمارہ
60/=
سالانہ زرِ تعاون
400/=
(بمع ڈاک خرچ)
(خصوصی شماروں کی قیمت اس میں شامل نہیں)

اشاعت خاص

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین

سیّدنا عثمان غنی

رضی اللہ عنہ

رابطہ برائے تار و مراسلہ
مکتبہ دار الاحسن
مبارک پرائڈ، متصل مسجد عائشہ، یٰسین آباد،
بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی
برائے رابطہ: 0300-2277551، 0333-3738795
Email: mujalla.alwaqia@gmail.com
ویب ایڈریس
alwaqiamagzine.wordpress.com
al-waqia.blogspot.com

فہرست مضامین

مضامین خصوصی: سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مولانا محمد حنیف ندوی قسط: (۱)

تفسیر سورۃ الواقعۃ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (۱) لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ (۲) خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ (۳) اِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجّاً (۴) وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسّاً (۵) فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثّاً (۶) وَكُنتُمْ أَزْوَاجاً ثَلَاثَةً (۷) فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ (۸) وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ (۹) وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (۱۰) أُوْلَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (۱۱)

ترجمہ

"جب ہونے والی ہو پڑے گی۔ اس کے ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں۔ وہ پست اور بلند کر دینے والی ہے۔ جب زمین کپکپا کر لرزنے لگے۔ اور پہاڑ ٹوٹ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ پھر اڑتا ہوا غبار ہو جائیں (۱)۔ اور تم آدمی تین قسم کے ہو جاؤ۔ پھر دہنی طرف والے، کیا ہیں دہنی طرف والے؟۔ اور بائین طرف والے، کیا ہیں بائیں طرف والے؟۔ اور جو آگے بڑھنے والے ہیں، تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں۔ وہی لوگ مقرب (۲) ہیں۔"

تشریح

(۱) قرآن حکیم میں قیامت کے مختلف نام آئے ہیں۔ کہیں اس کو "الساعۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں "القارعۃ" کہا گیا ہے۔ کبھی "الحاقۃ" سے موسوم ہے اور کبھی "الواقعۃ" کی صفت سے متصف۔ کیونکہ اصل غرض یہ ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں کو روشن کیا جائے۔ اس لحاظ سے کہ اس کے آنے کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ "الساعۃ" ہے، یعنی متعین گھڑی۔ اور اس لحاظ سے کہ وہ عالم وجود میں تہلکہ مچانے والی ہے، "القارعۃ" ہے۔ اسی نسبت سے کہ اس کا تحقق مقدرات میں سے ہے۔ "الواقعۃ" کہا جاتا ہے۔ الواقعۃ کے معنے یہ ہوں گے کہ یہ تحقق خارج میں ضرور واقعہ ہوگا اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ فرمایا جب یہ گھڑی آ موجود ہوگی تو اس وقت کئی اکڑی ہوئی گردنیں جھک جائیں گی اور کئی جھکے ہوئے سر بلند ہو جائیں گے۔ جو لوگ دنیا کے مال و منال میں مست تھے۔ جو آنکھ اٹھا کر بھی حق و صداقت کی طرف نہیں دیکھتے تھے۔ کبر و غرور میں ہر چیز کو بھول چکے تھے۔ چلتے تھے تو یوں کہ محشر بپا ہو۔ اور بیٹھتے تو اس طرح کہ مسند عزت و فخر ان کے قدم لیتی۔ وہ آج پستی اور ذلت کی حالت میں سر افگندہ اللہ کے حضور میں کھڑے ہوں گے۔ ان کا سارا غرور اور ناز خاک میں مل جائے گا اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے ہاں سرفرازی ان لوگوں کے لیے ہے جو دل کے عاجز ہیں۔ جن کی طبیعت میں سچائی کی قبولیت کی استعداد ہے۔ اور جن کو دنیا میں نہایت ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ جن کو ہدف مذاق بنایا جاتا تھا۔ جن کی مخالفت کی جاتی تھی۔ جن کو زندگی کی تمام آسودگیوں سے محروم سمجھا جاتا تھا۔ جن کے متعلق رائے تھی کہ ان میں ارتقاء اور ترقی کی اصلاً کوئی صلاحیت موجود نہیں۔ اور جن کو جنون اور خلل دماغ کے عارضے سے متہم کیا جاتا تھا۔ آج ان کا مقام بلند ہوگا۔ آج یہ کامیاب ہوں گے اور ان کو اللہ کی رضا کا مقام میسر ہوگا۔ آج یہ ان لوگوں میں سے ہوں گے۔ جن میں تومند اور پاکیزہ روح ہوتی ہے۔ آج ان کا شمار ان حضرات میں ہے جن کی نگاہیں دور رَس تھیں۔ جنہوں نے دنیا میں رہ عقبیٰ سے متعلق صحیح رائے قائم کی۔

(۲) فرمایا۔ اعمال کے لحاظ سے آخرت میں انسانوں کے تین درجے ہوں گے ایک تو وہ جو صاحب یمن و سعادت ہوں گے۔ ان کو داہنی طرف رکھا جائے گا۔ دوسرے وہ جن کے حصہ میں نحوست و بدبختی آئے گی۔ ان کو بائیں طرف جگہ دی جائے گی۔ تیسرے گروہ والے سابقین میں سے ہوں گے۔ یعنی ہر خیر و برکت میں بات میں آگے۔ ہر نیکی کی طرف سبقت کرنے والے اور ہر اصلاح و تقویٰ کے معاملہ میں پیش رَو۔ یہ لوگ اللہ کے مقرب ہوں گے ان کے درجے بلند ہوں گے۔

حل لغات

رَجّاً: تزلزل پیدا کرنا۔	بَسّاً: ریزہ ریزہ کرنا۔
هَبَاء: غبار۔	أَزْوَاجاً: اقسام۔

> "آج آپ عمل کی دنیا میں ہیں اور حساب کا وقت نہیں آیا، کل حساب کی دنیا میں ہوں گے اور عمل کا کوئی موقع نہ ہوگا۔"

درسِ آگہی　　محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

خونِ عثمان کے مقدس چھینٹے

امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے دہرے داماد، عشرہ مبشرہ کے ایک معزز رکن، حیا و عفت کا پیکر، سخاوت و فیاضی اور ایثار و قربانی کی عظیم مثال تھے۔

وہ تیسرے خلیفہ راشد تھے۔ جو شورائی نظام مشاورت کے بعد منتخب کیے گئے۔ ان کا عہدِ خلافت کثرتِ فتوحات اور دولت و ثروت کے اعتبار سے عہدِ زریں تھا۔ سلطنتِ اسلامی کی حدود میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ مالِ غنیم اور خراجِ جزیہ کی شکل میں خلافتِ اسلامی کو کثیر دولت ہاتھ لگی۔ جس کی بدولت عام مسلمانوں کی زندگیوں میں بھی آسائش کے دَر وَا ہوئے۔

ان کے عہدِ خلافت میں مسلمان ترقی کے ایک دورِ جدید میں داخل ہوئے۔ مسجد نبوی ﷺ کی پختہ بنیادوں پر منقش دیواروں کے ساتھ تعمیر ہوئی۔ مسجد الحرام میں توسیع کی گئی۔ دولت کی فراوانی ہوئی کہ لوگ زکوٰۃ دینے نکلتے مگر آسانی سے کوئی مستحق نہ ملتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا امت مسلمہ پر ایک احسانِ عظیم یہ بھی ہے کہ انہوں نے سرکاری سطح پر قرآن کو جمع کیا اور اس کی نشر و اشاعت کی۔ پوری امت کو ایک مصحفِ قرآنی پر جمع کیا اور ناقص نسخوں کو ضائع کر کے گمراہی کی راہیں مسدود کر دیں۔ آج پوری امت اسی قرآن کریم کی تلاوت کرتی اور اپنی زندگی کے اندھیروں کو روشن کرتی ہے جسے اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل کیا جسے صدیق (رضی اللہ عنہ) نے جمع کروایا اور جس کی ذو النورین (رضی اللہ عنہ) نے اشاعت کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان کے ذاتی ذوقِ سخاوت نے خلافتِ اسلامی کو اپنا زیر بارِ احسان رکھا۔ مدینہ نبویہ کے غریب مسلمانوں کے خشک ہونٹوں کو تَر کیا۔ جیش عسرۃ کی تیاری کر کے خلافتِ اسلامیہ کی ایک پوری فوج منظم کر دی۔ اس سے قبل اسلامی حکومت کے پاس انفرادی طور پر مجاہدین تو تھے جو اپنے اپنے وسائل پر وقت آنے پر شریکِ جہاد ہوا کرتے تھے۔ لیکن جیش عسرۃ کی تیاری سے اسلامی خلافت کو ایک مکمل اور منظم فوج دستیاب ہوگئی جس نے آئندہ کے لیے جہادِ اسلامی کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ تھا کہ زبانِ رسالت ﷺ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ نوید جاری ہوئی:-

"مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ اليَوْمِ۔" (سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

"آج کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) کو کوئی عمل بھی ضرر نہیں پہنچائے گا۔"

یہ ایک نبوی پیش گوئی تھی کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کا کوئی عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خواہش و حکم کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔

ان کے عہدِ خلافت کا صرف آخری سال سازشی عناصر کے فتنوں سے گھرا نظر آتا ہے۔ یہ بڑی زیادتی ہوگی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دو برابر کے نصف حصوں میں تقسیم

کیا جائے اور ایک کو کامیاب اور دوسرے کو ناکام قرار دیا جائے۔

خلافت عثمانی کے آخری سال سبائی فتنہ پرداز اپنی شر پسندی میں کامیاب ہوگئے۔ عصبیت اور حزبیت کے مختلف عوامل جن کی چنگاریاں دبی دبی سی تھیں، وہ بھڑک اٹھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اس فتنہ سبائیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے تاہم مورخین کا قلم حیرت زدہ ہی رہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باوجود طاقت و اقتدار ان مٹھی بھر فسادیوں سے سختی سے نمٹنا کیوں گوارا نہ کیا۔ یہ ایک راز تھا جو رسول اللہ ﷺ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین تھا اور انہیں کے درمیان رہا۔ خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) بڑی بے دردی سے بہایا گیا۔ اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صبر و تحمل کی ایسی مثال قائم کی جسے پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔

لیکن اللہ ربّ العزت اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس خون کی کیسی وقعت اور قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ بیعت رضوان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ سیکڑوں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بخشش اسی ایک خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے عزم سے ہوگئی اور انہیں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا پروانہ نجات دائمی مل گیا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً (الفتح:۱۸)

"اللہ ان تمام مسلمانوں سے راضی ہے جنہوں نے اس درخت کے نیچے (اے رسول ﷺ!) تمہاری بیعت کی۔ پھر اس نے ان کے دلوں کی بات (نیت و اخلاص) جان لی اور ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں جلد آنے والی فتح سے سرفراز کیا۔"

اور صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اس خونِ عثمان کا بدلہ لینے کے اس عزم کو اتنی اہمیت دی گئی کہ

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح:۱۰)

"جو لوگ (اے رسول!) تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے ہاتھوں میں (تمہارا کیا) اللہ کا ہاتھ تھا۔"

خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) بہت مقدس تھا۔ قتلِ عثمان (رضی اللہ عنہ) میں جو جو شریک تھا فتنے کی موت مرا۔ تاریخ میں قاتلین عثمان (رضی اللہ عنہ) کا انجام بھی موجود ہے۔

خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے مقدس چھینٹے تاریخ اسلام کے دامن پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو گئے۔ فتنوں کی تلوار بے نیام ہوگئی۔ ایک مخزنِ اسرار نبوت (حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ) نے جب اس واقعہ شہادت کو سنا تو کہا:-

"أول الفتن قتل عثمان، وآخر الفتن خروج الدجال، والذي نفسي بيده لا يموت رجل وفي قلبه مثقال حبة من حب قتل عثمان إلا تبع الدجال إن أدركه، وإن لم يدركه آمن به في قبره۔" (تاریخ الخلفاء: ۱۲۷)

"اسلام میں پہلا فتنہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کا قتل ہے اور آخری فتنہ دجال کا خروج ہوگا۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی قاتل عثمان (رضی اللہ عنہ) کی محبت ہوگی وہ اگر دجال کو پائے گا تو اس کی پیروی کرے گا اور اگر نہ پائے گا تو اپنی قبر میں اس پر ایمان لائے گا۔"

وہ خون جو اللہ اور اس کے رسول کو بے حد عزیز تھا۔ گو بڑی بے دردی سے بہایا گیا لیکن رائیگاں ہرگز نہیں گیا۔ آج بھی خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) ایمان و نفاق کی آزمائش بن کر تازہ ہے۔

قاضی حبیب الرحمٰن منصور پوری

سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

نام ونسب

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس اور والدہ اروٰی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس ہیں ۔ عبد شمس عبد مناف کے فرزند ہیں جو نبی ﷺ کے دادا عبد المطلب کے والد ہیں ۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی ام بیضاء بنت عبد المطلب ہیں جو نبی ﷺ کی حقیقی پھوپھی ہیں ۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ اور ابو عمرو ہے ۔ ذوالنورین لقب اور امیر المومنین خطاب تھا ۔

شخصیت

عشرہ مبشّرہ کے نامور رکن ، تیسرے خلیفہ راشد ہیں ۔ ان کی خلافت خلیفہ پیش رو کی نامزدگی ، عشرہ مبشرہ میں سے باقی چھ کے انتخاب اور جملہ مہاجرین و انصار کے اتفاق کلی کی پیش کردہ خلعت تھی ۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے معتمد دوستوں میں سے تھے ۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی دعوت سے اسلام لائے اور قبولیت اسلام میں یہ چوتھے مسلمان تھے ۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی لڑکی سیّدہ رقیہ کا نکاح ان سے کر دیا تھا ۔ ان کے بطن سے سیدنا عبد اللہ بن عثمان پیدا ہوئے ۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد نبی ﷺ نے ان کا نکاح اپنی دوسری صاحبزادی سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرما دیا تھا ۔

حالات

دو بار ہجرت حبشہ کی ۔ پھر حبشہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی ۔ سیدنا عمر فاروق کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے ۔ ۱۲ سال تک امور خلافت انجام دیتے رہے ۔ ایام تشریق ۳۵ ہجری میں بعمر ۸۲ سال باغیان مصر کے ظالم ہاتھوں سے شہید ہوئے ۔ بعض نے آپ کی عمر ۸۶ سال اور بعض نے ۹۰ سال بھی بیان کی ہے ۔

خدمات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتوحات بہت وسعت سے ہوئیں ۔ چنانچہ مشرق میں خراسان ، ماوراء النہر ، ترکستان ، سندھ اور کابل ۔ اور مغرب میں اسکندریہ ، مراکش ، تونس ، طرابلس الغرب سلطنت اسلامیہ میں داخل ہوئے ۔ مسلمانوں میں بحری لڑائی سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہوئی ۔ اس معرکہ میں ہرقل کا بحری بیڑہ تباہ ہوا اور پرچم اسلامی بہت سے جزائر پر لہرانے لگا ۔ جزئر قبرص ، کریٹ و مالٹا وغیرہ کی فتوحات انہی کے منتخب کردہ عمال و امراء کی شجاعت و قابلیت کے نتائج وثمرات تھے ۔ سب سے پہلے آپ نے ہی لوگوں کی جاگیرات مقرر کیں ۔ جانوروں کے لیے چراگاہیں چھوڑیں ، تکبیر میں آواز دھیمی کی ، مسجد میں خوشبو جلوائی ، جمعہ میں اذانِ اول کا اضافہ کیا ۔ مؤذنین کے روزینے مقرر کیے ۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے تمام مسلمانوں کو ایک قرأت پر متفق کیا ۔ کبوتر بازوں اور غلیل اندازوں پر ایک حاکم مقرر کیا ۔ جن کا کام کبوتروں کو قینچ کرنا اور غلیلوں کو توڑنا تھا ۔ یہ تمام امور آپ کی اولیات میں شمار کیے جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں سب سے اول ہجرت بھی آپ نے ہی فرمائی ۔ (۱)

جنگ بدر کے سوا تمام غزوات و مشاہد میں نبی ﷺ کے ہمرکاب تھے ۔ بیعت الرضوان آپ ہی کے لیے ہی وقوع میں آئی ۔ جنگ خیبر میں آپ کو نبی ﷺ نے کیمپ افسر مقرر فرمایا تھا ۔ اس جنگ میں ان کا خاص فرض یہ بھی تھا کہ یہود اور بنی غطفان کے لشکروں کو باہم ملنے نہ دیں اور ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہی رکھیں چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تدبیر و کارروائی سے غطفان و یہود مل کر لشکر اسلامی کو ضرر نہ پہنچا سکے ۔ جہاد بالمال میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے پیش پیش رہتے تھے اور مدینہ میں بئر رومہ کا نصف بارہ ہزار اور پھر باقی کا نصف اٹھارہ ہزار میں خرید کر مسلمانوں کے لیے آب شیریں وقف کر دیا تھا ۔ غزوہ تبوک میں ایک ہزار شتر اور ستر گھوڑے مع ساز و سامان کے دئے تھے ۔ نقد چندہ اس کے علاوہ تھا ۔ (۲)

محاصرہ

جب باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے محاصرین سے فرمایا :-

"لا تقتلوه فو الله لا يقتله رجل منكم الا لقى الله اجذم لابد له و ان سيف الله لم يزل مخمورا و انكم و الله ان قتلتموه سينه الله ثم لا يحمده عنكم ابدا و ما قتل نبى قط الا قتل۔ سبعون الفا و لا خليفة الا قتل به خمسة و ثلثون الفا قبل ان يجتمعوا۔" (۳)

" لوگو ! تم عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرو ۔ تم میں سے جو کوئی شخص ان کو قتل کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے کوڑھی ہو کر ملے گا ۔ اللہ کی تلوار اب تک نیام میں ہے ۔ لیکن اگر تم نے ان کو قتل کر دیا تو اللہ کی قسم وہ تلوار کو میان سے کھینچے گا اور پھر وہ قیامت تک میان میں نہ جائے گی ۔ لوگو ! جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو ستّر ہزار مردم کو قتل کیا جاتا ہے اور جب کوئی خلیفہ قتل

کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار جانوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ تب وہ قوم پھر جمع ہوتی ہے۔"

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تقریر

باغیوں نے جب سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنے مطالبات سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچانے کے لیے مجبور کیا اس وقت جنابِ مرتضیٰ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اس طرح تقریر فرمائی:-

"واللہ ما ادری ما اقول لک ما اعرف شیئا تجھلہ انک لتعلم ما نعلم ما سبقنک بشئ فنخبرک عنہ و لا خلونا بشئ فنبلغک ھو و قد رأیت کما رأینا و سمعت کما سمعنا و صحبت رسول اللہ کما صحبنا و ما ابن ابی قحافۃ و لا ابن الخطاب اولی بعمل الحق منک و انت اقرب الی رسول اللہ ﷺ و شیبحۃ رحم منھما و قد نلت من صھرہ ما لم ینالاً۔"(۴)

"واللہ میں نہیں جانتا کہ آپ سے کیا کہوں، میں ایسی کوئی بات نہیں جانتا جس کی آپ کو خبر نہ ہو۔ میں کوئی ایسا امر نہیں بتلا سکتا جس سے آپ واقف نہ ہو۔ جتنا علم آپ کو ہے اتنا ہی ہم کو ہے۔ ہم کو آپ پر کسی شے میں سبقت نہیں جس کی خبر آپ کو دے سکیں۔ ہم نے آپ سے علیحدہ کچھ نہیں سیکھا جس کی اب تبلیغ کر سکیں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ آپ نے دیکھا جو ہم نے سنا وہ آپ نے سنا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے جیسا کہ ہم رہے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ بھی عملِ حق میں آپ سے اولیٰ نہ تھے۔ آپ ان دونوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے قرابتداری رکھتے ہیں۔ آپ کو نبی ﷺ کے داماد ہونے کی عزت بھی حاصل ہے جو ان دونوں کو نہ تھی۔"

ابو ثور جہنی کی ملاقات اور سیدنا عثمان کی تقریر

انہی ایام میں ایک روز ابو ثور الجہنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو گئے۔ امیر المؤمنین نے فرمایا میں نے دس باتیں اللہ کے ہاں امانت رکھی ہیں:-

۱- میں چوتھا مسلمان ہوں۔

۲- رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دیا، پھر دوسری میرے نکاح میں دے دی۔

۳- میں نے کبھی راگ نہیں گایا۔

۴- میں نے کبھی برائی کی خواہش نہیں کی۔

۵- جب سے میں نے نبی ﷺ سے بیعت کی ہے اپنا دایاں ہاتھ شرم گاہ کو نہیں لگایا۔

۶- میں ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتا ہوں۔

۷- اگر کسی جمعہ کو میرے پاس غلام نہیں ہوا تو اس کی قضا ادا کی۔

۸- کبھی زمانہ جاہلیت یا اسلام میں چوری نہیں کی۔

۹- کبھی زمانہ جاہلیت میں یا اسلام میں زنا نہیں کیا۔

۱۰- اور میں نے قران شریف کو عہد نبی ﷺ کے موافق جمع کیا۔

سیدنا مغیرہ بن شیبہ کی ملاقات اور ان کا مشورہ اور امیر المومنین کا جواب

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایام محاصرہ میں ایک دن آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی کہ افسوس آپ پر خلیفہ ہو کر یہ مصیبت آئی ہوئی ہے۔ اب میں کچھ باتیں کہتا ہوں آپ ان میں سے ایک بات کیجئے۔ (۱) باغی لوگوں سے قتال کیجئے۔ آپ کے مددگار بہت ہیں۔ آپ حق پر ہیں اور آپ کے مخالفین باطل پر ہیں۔ (۲) نہیں تو کسی دروازہ سے نکل کر مکہ معظّمہ کی راہ لیجیے وہاں بوجہ حرم لوگ کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ (۳) ورنہ شام کو تشریف لے جائے وہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں وہ آپ کی مدد کریں گے۔

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں لڑائی کے لیے نہ نکلوں گا۔ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ میں خلیفہ رسول اللہ ﷺ ہو کر مسلمانوں کا کشت و خون کراؤں۔ مکہ معظّمہ جانا بھی مجھے پسند نہیں کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:-

"يَلْحَدُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ بِمَكَّةَ يَكُونُ عَلَيْهِ نِصْفُ عَذَابِ الْعَالِمِ، فَلَنْ أَكُونَ إِيَّاهُ۔"

"قریش کا ایک شخص مکہ معظّمہ میں فساد برپا کرے گا اس پر نصف عالم کا عذاب ہوگا۔ پس میں اس کا مورد نہیں بننا چاہتا۔"

اور میں شام بھی جانا نہیں چاہتا کیونکہ میں اپنے دارالہجرت اور ہمسائیگی رسول اللہ ﷺ کی مفارقت نہ کروں گا۔

ثمامہ بن حزن القشیری سے روایت ہے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایام محاصرہ میں ایک روز چھت پر چڑھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا ان دونوں آدمیوں کو میرے سامنے لاؤ جو تم کو مجھ پر چڑھا کر لائے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں حاضر کیے گئے معلوم ہوتا تھا کہ دو اونٹ ہیں یا دو گدھے ہیں۔ آپ نے ان سے اس طرح تقریر فرمائی:-

"أَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَالإِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، وَلَيْسَ فِيهَا مَاء يُسْتَعْذَبُ غَيْرُ بِئْرِ رُومَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ يَشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ، وَيَكُونُ دَلْوُهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ"، فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِي؟ وَأَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُونِي أَنْ أَشْرَبَ مِنْهَا، حَتَّى أَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ، قَالُوا: اللّٰهُمَّ نَعَمْ۔"

"میں تم کو اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہاں سوائے بئر رومہ کے پینے کے لیے میٹھا پانی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اس کنویں کو خرید کر وقف کر دے اور اپنے ڈول کو جملہ مسلمانوں کے ڈول کا سا سمجھے اس کا بدلہ جنت سے چن لیا جائے گا۔ چنانچہ میں نے اسے اپنے مال سے خرید لیا۔ آج تم

لوگ مجھے اس کنویں کا پانی پینے سے روکتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا واللہ درست ہے۔"

پھر فرمایا:-

"أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ وَالإِسْلَامِ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ ضَاقَ بِأَهْلِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : " مَنْ يَشْتَرِي بُقْعَةَ آلِ فُلَانٍ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ؟ "فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ مَالِي، أَوْ قَالَ: مِنْ صُلْبِ مَالِي، فَزِدْتُهَا فِي الْمَسْجِدِ؟ وَأَنْتُمْ تَمْنَعُونِي أَنْ أُصَلِّيَ فِيهَا رَكْعَتَيْنِ، قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ۔"

"میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ نمازیوں کے لیے مسجد تنگ تھی۔ نبی ﷺ نے فرمایا جو فلاں کی زمین خرید کر مسجد کو بڑھا دے اس کو جنت میں چن کر بدلہ دیا جائے گا سو میں نے اصل مال سے اس زمین کو خریدکیا۔ آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا واللہ درست ہے۔"

پھر فرمایا:-

"أَنْشُدُكُمُ اللهَ وَالإِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنِّي جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِي؟ " قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ۔"

"میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو میں نے جیش عسرۃ (تبوک) کا سامان اپنے مال سے تیار کیا تھا؟ جواب ملا، واللہ درست ہے۔"

پھر فرمایا:-

"أَنْشُدُكُمُ اللهَ وَالإِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ عَلَى ثَبِيرِ مَكَّةَ هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَأَنَا، فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ، حَتَّى تَسَاقَطَتْ حِجَارَتُهُ بِالْحَضِيضِ، فَرَكَضَ بِرِجْلِهِ، وَقَالَ: "اسْكُنْ ثَبِيرُ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَصِدِّيقٌ، وَشَهِيدَانِ؟ "، قَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ۔"

"میں تم کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں کوہ ثبیر پر تشریف فرما تھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ میں اور ابوبکر اور عمر تھے۔ پہاڑ خوشی سے ہلنے لگا اور اس پر سے پتھر گرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا ثبیر ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔ باغیوں نے پھر وہی جواب دیا۔ ہاں واللہ درست ہے۔"

"قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ، شَهِدُوا لِي وَرَبِّ الْكَعْبَةِ أَنِّي شَهِيدٌ، قَالَهَا ثَلَاثًا۔"(۵)

"اس پر سیدنا عثمان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور فرمایا میرے لیے شہادت ادا کر دی اور اب واللہ میں شہید ہو جاؤں گا۔ تین بار اس جملہ کو دہرایا۔"

نبی ﷺ کا ارشاد کہ عثمان ہدایت پر ہوں گے

ابوالاشعث الصنعانی سے روایت ہے کہ ملک شام میں خطیب خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے ان میں نبی ﷺ کے صحابہ بھی تھے۔ پھر ایک شخص کھڑے ہوئے جن کو مُرّہ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث نہ سنی ہوتی تو میں کھڑا نہ ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فتنوں کا ذکر کیا اور ان کا قریب ہونا بیان فرمایا۔ پھر ادھر سے ایک شخص منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے گزرا۔ فرمایا "اس دن یہ ہدایت پر ہوگا۔" میں نے اٹھ کر ان کو دیکھا تو وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان کا چہرہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کر کے عرض کی یہی ہیں، فرمایا ہاں یہی ہیں۔ (۶)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی چند صحابہ سے گفتگو اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قصہ

ایام محاصرہ میں ایک دن امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے چند صحابہ سے گفتگو کی جن میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کہا کہ میں آپ لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں مجھے اس کا صحیح صحیح جواب دیجئے گا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام قبائل سے قریش کو بزرگ خیال فرمایا کرتے تھے اور تمام قریش میں سے بنی ہاشم کو۔

پھر فرمایا اگر جنت کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہوتیں تو میں بنی امیہ کو دے دیتا تاکہ وہ سب جنت میں داخل ہو جائیں۔ سب نے اس تقریر کو خاموشی سے سنا پھر طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو بلوایا اور فرمایا کہ میں آپ سے عمار کی بابت بیان کروں ایک روز رسول اللہ ﷺ بطحاء مکہ میں ٹہلتے ہوئے تشریف لا رہے تھے اور آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ عمار کے والد کے پاس سے گزرے ان دونوں کو کفار سخت سزا دے رہے تھے۔ عمار کے والد نے نبی ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہماری ہمیشہ یہی حالت رہتی ہے۔ فرمایا صبر کرو پھر ان کے لیے دعا فرمائی۔

محاصرہ کے دنوں میں آپ نے بیس غلام فی سبیل اللہ آزاد کیے۔

شہادت

یوم شہادت کو آپ نے پاجامہ منگوا کر پہنا۔ اس سے پیشتر زمانہ جاہلیت و اسلام میں کبھی نہیں پہنا تھا۔ پھر کہا میں نے آج رات نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی معیت میں ہیں۔ آنحضرت ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں صبر کرو تم شام کو روزہ ہمارے ساتھ افطار کرو گے۔

اس کے بعد آپ نے تلاوت قران مجید شروع کر دی اور بحالت تلاوت ہی شہید کیے گئے۔ خون کے قطرے آیت فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ پر گرے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تدفین کی خدمات انجام دیں اور تاریکی شب میں ذوالنورین کو جنت البقیع کی آغوش میں لٹا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (۷)

شہادت پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب امیر المومنین کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا:-

"لقد قتلوه و انه لمن او صلهم للرحم و اتقاهم للرب۔"(۸)

"تحقیق انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا

ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے اور پروردگار کا خوف کھانے والے تھے۔"

سیدنا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو جب لوگوں نے آ کر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت سنائی تو فرمایا:-

"تبا لكم أخر الدهر۔"(۹)

"اب تم پر ہمیشہ تباہی رہے گی۔"

جناب امیر رضی اللہ عنہ کی ایک اور تقریر

قیس بن عبادہ کہتے ہیں جنگ جمل میں میں نے ایک روز سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو فرماتے ہوئے سنا:-

"اللّٰهم إني أبرأ إليك من دم عثمان، ولقد طاش عقلي يوم قتل عثمان، وأنكرت نفسي وجاؤوني للبيعة فقلت: والله إني لأستحيي أن أبايع قومًا قتلوا عثمان، وإني لأستحيي من الله أن أبايع وعثمان لم يدفن بعد، فانصرفوا، فلما رجع الناس فسألوني البيعة، قلت: اللهم إني مشفق مما أقدم عليه ثم جاءت عزيمة فبايعت فقالوا: يا أمير المؤمنين، فكأنما صدع قلبي، وقلت: اللّٰهم، خذ مني لعثمان حتى ترضي."(۱۰)

"الٰہی میں تیری جناب میں خون عثمان سے اپنی بریّت کا اظہار کرتا ہوں۔ تحقیق عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے دن میرے ہوش اڑ گئے تھے اور میں نے اسے برا جانا اور میرے پاس لوگ بیعت کرنے آئے تو میں نے کہا اللہ کی قسم مجھے تو شرم آتی ہے کہ ایسی قوم سے بیعت لوں جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ایسی حالت میں کہ عثمان رضی اللہ عنہ دفن بھی نہ ہوئے ہوں اس کے بعد لوگ چلے گئے۔ پس جب وہ پھر لوٹ کر آئے اور پھر مجھ سے بیعت کا سوال کیا۔ تو میں نے کہا الٰہی! ابھی میں اس کام پر جرأت کرنے سے ڈرتا ہوں پھر لوگ بضد ہو کر آئے تو میں نے بیعت لے لی۔ انہوں نے مجھے یا امیر المومنین کہا۔ انہوں نے کہا تو سہی مگر اس خطاب نے میرے دل کو چاک کر دیا اور میں نے کہا یا اللہ کچھ بھی ہو تو عثمان رضی اللہ عنہ کو مجھ سے راضی کر دے۔"

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اللہ کی تلوار میان میں تھی لیکن آپ کی شہادت کے بعد میاں سے ایسی نکلی کہ اب قیامت تک برہنہ ہی رہے گی۔"

سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "اسلام حصن حصین میں تھا مگر قتل عثمان رضی اللہ عنہ سے اس میں ایسا رخنہ پڑ گیا ہے کہ اب قیامت تک بند نہ ہوگا۔ ان کے قتل سے خلافت مدینہ سے ایسی نکلی کہ اب واپس نہ آئے گی۔" (۱۱)

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فرشتوں نے میدان جنگ میں مسلمانوں کی اعانت ترک کر دی۔" (۱۲)

قاسم بن امیہ نے آپ کی شہادت پر ایک ہی شعر میں مرثیہ کہہ دیا ہے۔

لعمری لبئس الذبح ضحیھم
خلاف رسول اللہ یوم اضاحیا

"لوگو! اللہ کی قسم تم نے رسول اللہ ﷺ کے بعد قربانی کے دن میں بہت بُری قربانی کی ہے۔"

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ پر نبی ﷺ کے شاعر خاص سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے اشعار بھی ہیں۔

یا قاتل اللہ قوما کان امرھم
قتل الامام الزکی الطیب الرون

"اللہ اس قوم کو تباہ کرے جس نے پاک طیب برگزیدہ امام کو قتل کیا۔"

ما قتلوہ علیٰ ذنب المّ بہ
الا الذی نطلقوا دور و لم یکن (۱۳)

"وہ کسی گناہ کی آلودگی سے قتل نہیں کیا گیا بلکہ لوگوں نے ان کے خلاف خود جھوٹی باتیں بنائیں جن کی کوئی اصل نہ تھی۔"

ملک الشعراء دربار نبی ﷺ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

من سرہ الموت صرفاً لا مزاج لہ
فلیات ماویۃ فی دار عثمان

"جو خالص موت دیکھنے کا آرزومند ہو کہ اس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو اس کو چاہیے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر جائے۔"

ضحوا بالشمط عنوان السجود بہ
یقطع اللیل تسبیحا و قرآنا

"لوگوں نے اس شخص کو ذبح کر ڈالا جس کی پیشانی پر سجدہ کے نشان تھے اور تمام شب نماز اور تلاوت میں گزار دیا کرتا تھا۔"

صبرا فذلکم امی و ما ولدت
قد ینفع الصبر فی المکروہ احیاناً

"مسلمانو! صبر کرو تم پر میری ماں اور بھائی فدا ہوں بے شک مصیبت کے وقت صبر نفع بخشتا ہے۔"

لتسمعن و شیکا فی دیارھم
اللہ اکبر باثالات عثمانا(۱۴)

"تم ضرور ان کے شہروں میں تاخت و تاراج کی خبر سنو گے اور اللہ اکبر کے ساتھ انتقام کے نعرے سنو گے۔"

امام شعبی علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر کعب بن مالک کی نظم سے بہتر میں نے کسی کے اشعار نہیں سنے وہ فرماتے ہیں:-

فکف یدیہ ثم اغلق بابہ
و ایقن ان اللہ لیس بغافل

"اس نے اپنا ہاتھ روک کر دروازہ بند کر لیا اور یقین کر لیا کہ اللہ غافل نہیں ہے۔"

فقال لاھل دار لا تقتلوھم
عفا اللہ عن کل امرء لم یقاتل

"انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا کہ دشمنوں کو قتل نہ کرو اللہ اس کو معاف کرے گا جو مسلمان کو قتل نہیں کرتا۔"

فکیف رأیت اللہ حب علیھم
العداوۃ و البغضاء بعد التواصل

" پھر تم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے ان پر کیسی مصیبت نازل کی یعنی باہمی الفت کے بعد باہمی بغض وعداوت میں مبتلا ہو گئے ۔"

فکیف رأیت الخیر ادبر بعدہ
عن الناس ادبار الریاح الجوافل (۱۵)

" تو نے دیکھ لیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھلائی لوگوں سے کیونکر پیٹھ پھیر کر چل دی گویا آندھی تھی کہ آئی اور نکل گئی ۔"

شمائل و اخلاق

حلیہ وشبیہ

آپ میانہ قد اور خوبصورت تھے ۔ ڈاڑھی کے بال گھنے تھے ۔ رنگ میں سرخی بہت چمکتی تھی ۔ دونوں شانوں میں فاصلہ بہت تھا۔ پنڈلیاں بھری ہوئی، ہاتھ لانبے اور ان پر بال تھے ۔ سر کے بال گھنگھریالے اور کنپٹی کے نیچے تک تھے ۔ دانت بہت خوش نما اور سونے کے تار سے بندھے ہوئے، بالوں میں زرد خضاب لگایا کرتے تھے ۔

موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے :-

"کان عثمان ابن عفان اجمل الناس۔"

" عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تمام لوگوں میں بڑھ کر جمیل تھے ۔" (۱۶)

عبداللہ بن مازنی کا قول ہے :-

"رأیت عثمان ابن عفان فما رأیت قط ذکراً و انثیٰ احسن وجھا منه۔"

" میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے میں نے کسی مرد یا عورت کو ان سے زیادہ حسین نہیں دیکھا ۔"

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ " میں اور عثمان رضی اللہ عنہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ ہیں ۔"

صفات وعادات

عبد الرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک پر حدیث بیان کرتے ہوئے ہیبت وعظمت چھا جاتی تھی ۔ منکسر المزاج، متواضع ، اور زاہد ۔ سخاوت میں مشہور تھے ۔ نرم خو، صابر اور مستقل مزاج ۔ اپنا کام خود کر لیا کرتے تھے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا کرتے ۔

قبل اسلام بھی قریش میں صاحب ثروت، وجیہ اور سخی مشہور تھے ۔ جاہلیت ہی میں اپنے نفس پر شراب حرام کر لی تھی اور زنا و چوری سے بھی نفور تھے ۔ نبی ﷺ سیدہ رقیہ وسیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے ساتھ حسن سلوک کی وجہ سے ان سے ہمیشہ خوش رہے ۔ اکثر اوقات میں آپ نے کتابت وحی بھی کی ۔ نبی ﷺ کے لیے اول اول آپ ہی نے حیس بنایا۔ آنحضرت ﷺ نے پسند فرمایا اور آپ کے حق میں دعا فرمائی ۔

قوی الحفظ تھے ۔ طہارت کا بہت خیال رکھتے ۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے ۔ رات کے ابتدائی حصہ میں آرام فرما لیتے تھے ۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ میں قحط پڑا ۔ آپ کے ہاں ایک دن ملک شام سے ایک ہزار اونٹ اناج کے آئے ۔ تجار آ کر دس دس، پندرہ پندرہ گنا قیمت دینے لگے ۔ فرمایا مجھے اس سے زیادہ ملتا ہے ۔ عرض کیا کون دیتا ہے؟ فرمایا یہ سب فقرائے مدینہ پر صدقہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے سات سو گنا دینے کا وعدہ فرمایا ہے ۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اسی شب نبی ﷺ کی مجھے زیارت ہوئی ۔ آنحضرت ﷺ ایک سُرخ گھوڑے پر سوار ہیں دست مبارک میں ایک نورانی چھڑی ہے اور نعلین کے تسمے بھی نور کے ہیں ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ کی زیارت کا بہت شوق تھا فرمایا میں عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی میں جا رہا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک حور سے ان کی شادی کر دی ہے ۔ انہوں نے فی سبیل اللہ ایک ہزار اونٹ صدقہ دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ ان سے قبول کر لیے ہیں ۔

امیر المومنین حج وعمرہ بھی بہت کثرت سے کرتے تھے ۔ اکثر آپ ایک عمرہ سے آتے اور پھر واپسی کے لیے سوار ہو جاتے ۔ اقارب سے صلہ رحم بہت فرماتے اور صلہ رحمی میں اپنے ہم سروں سے ممتاز تھے ۔

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اکثر روزہ سے رہتے اور بحالت روزہ ہی شہید ہوئے ۔ تلاوت قرآن اور عبادت بہت کیا کرتے تھے ۔ پیشانی پر کثرت سجود سے نشان پڑ گئے تھے ۔ تہجد کے وقت خود وضو کا اہتمام فرمایا کرتے تھے ۔ ایک دن کسی نے کہا آپ خدام کو کیوں نہیں حکم فرماتے ۔ فرمایا کیا رات ان کے آرام کے لیے نہیں بنائی گئی ۔ (۱۷)

اقوال

۱- آپ کا قول ہے کہ غم دنیا ایک تاریکی ہے ۔ اور غم آخرت دل میں ایک نور ہے ۔

۲- فرمایا تارک دنیا اللہ کا، تارک گناہ فرشتوں کا اور تارک طمع مسلمانوں کا محبوب ہوتا ہے ۔

۳- فرمایا چار چیزیں بے کار ہیں (۱) وہ علم جو بے عمل ہو (۲) وہ مال جو خرچ نہ کیا جائے (۳) وہ زہد جس سے دنیا حاصل کی جائے (۴) وہ لمبی عمر جس میں سامان آخرت کچھ تیار نہ کیا جائے ۔

۴- فرمایا مجھے دنیا میں تین باتیں پسند ہیں (۱) بھوکوں کو کھانا کھلانا (۲) ننگوں کو کپڑا پہنانا (۳) قرآن مجید خود پڑھنا اور دوسروں کو پڑھانا ۔

۵- فرمایا بظاہر چار باتوں میں ایک خوبی ہے مگر حقیقت میں چاروں کی تہہ میں چار ضروری امر بھی ہیں (۱) نیکو کاروں سے ملنا ایک خوبی ہے مگر ان کا اتباع کرنا ایک ضروری امر ہے (۲) تلاوت قرآن مجید ایک خوبی ہے مگر اس پر عمل کرنا ضروری ہے (۳) مریض کی عیادت کرنا ایک خوبی ہے مگر اس کی وصیت کرانا ایک ضروری امر ہے (۴) زیارت قبر ایک خوبی ہے مگر وہاں کی تیاری کرنا ایک ضروری امر ہے ۔

۶- فرمایا مجھے چار باتوں میں عبادت الٰہی کا مزہ آتا ہے (۱) فرائض کی ادائیگی میں (۲) حرام اشیاء سے پرہیز کرنے میں (۳) امیدِ اجر پر نیک کام کرنے میں (۴) اور اللہ کے خوف سے برائیوں سے

بچنے میں۔

۷- فرمایا متقی کی پانچ علامات ہیں۔ ایسے شخص کی صحبت میں رہنا جس سے دین کی اصلاح ہو۔ شرم گاہ اور زبان کو قابو میں رکھنا۔ مسرت دنیا کو وبال خیال کرنا۔ شبہات کے خوف سے حلال سے بھی پرہیز کرنا۔ پس ایک میں ہی ہلاکت میں پڑا ہوں۔

۸- فرمایا یہ چیزیں بہت بے کار ہیں۔ وہ عالم جس سے کوئی سوال نہ کرے۔ وہ عمدہ عقل جس سے کچھ حاصل نہ کیا جائے۔ بے کار اور مستعمل ہتھیار۔ ویران مسجد۔ وہ قرآن جس پر تلاوت نہ کی جائے۔ وہ مال جو خرچ نہ کیا جائے۔ وہ گھوڑا جس پر سواری نہ کی جائے۔ علم زہد جو طالبِ دنیا کے پیٹ میں ہے۔ وہ عمر دراز جس میں توشۂ آخرت تیار نہ کیا جائے۔ (۱۸)

نقش خاتم

آپ کی انگوٹھی پر نقش تھا: اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی (۱۹)

مرویات

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ۱۴۶احادیث روایت کی گئی ہیں۔ بہت سے صحابہ اور تابعین نے آپ سے روایت کی ہے۔ ہم تبرکاً دو تین احادیث نقل کرتے ہیں۔

۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

"من توضأ نحو وضوئي هذا ثم قام فركع ركعتين لا يحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه، قاله حين توضا ثلاثاً۔" (۲۰)

" جو میری طرح وضو کرے (یعنی جیسے میں نے کیا ہے) پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھے کہ اس اثناء میں اس کے دل میں کوئی بے ہودہ خیال نہ آئے، اس کے تمام گناہوں کی بخشش ہے جو اس وقت سے پہلے ہوئے۔"

۲- نبی ﷺ نے فرمایا:-

"من صلى العشاء في جماعة فكأنما قام نصف الليل، ومن صلى الصبح في جماعة فكأنما صلى الليل كله۔" (۲۱)

" جس نے عشا کی نماز با جماعت پڑھی گویا اس نے نصف رات تک عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز با جماعت ادا کر لی گویا اس نے تمام شب عبادت کی۔"

۳- آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

"مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، دَخَلَ الْجَنَّةَ۔" (۲۲)

" جو شخص یہ جانتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس پر وہ مر گیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

فضائل و مناقب

احادیث

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:-

"انْطَلَقْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَدَخَلَ حَائِطًا لِلأَنْصَارِ فَقَضَى حَاجَتَهُ، فَقَالَ لِي: يَا أَبَا مُوسَى أَمْلِكْ عَلَيَّ البَابَ فَلاَ يَدْخُلَنَّ عَلَيَّ أَحَدٌ إِلاَّ بِإِذْنٍ. فَجَاءَ رَجُلٌ فَضَرَبَ الْبَابَ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: أَبُو بَكْرٍ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ، قَالَ: ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ. فَدَخَلَ وَبَشَّرْتُهُ بِالجَنَّةِ، وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَضَرَبَ البَابَ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: عُمَرُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا عُمَرُ يَسْتَأْذِنُ، قَالَ: افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ. فَفَتَحْتُ البَابَ وَدَخَلَ وَبَشَّرْتُهُ بِالجَنَّةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَضَرَبَ البَابَ، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ قَالَ: عُثْمَانُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا عُثْمَانُ يَسْتَأْذِنُ، قَالَ: افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ۔" (۲۳)

" میں نبی ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آنحضرت ﷺ انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ قضائے حاجت کے بعد مجھ سے فرمایا ابو موسیٰ تم دروازے کے پاس ٹھہرو کوئی شخص میرے پاس بغیر اجازت کے داخل نہ ہو۔ اتنے میں ایک شخص نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا میں نے کہا کون ہے؟ کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ اجازت چاہتے ہیں۔ فرمایا ان کو اجازت اور جنت کی بشارت دو۔ پھر ایک دوسرے آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا کون ہے؟ کہا عمر رضی اللہ عنہ۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ عمر رضی اللہ عنہ اجازت چاہتے ہیں۔ فرمایا ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دو۔ میں نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا وہ داخل ہوئے میں نے ان کو جنت کی بشارت دی۔ پھر ایک اور شخص آیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے کہا کون؟ کہا عثمان۔ میں کہا یا رسول اللہ ﷺ عثمان رضی اللہ عنہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ فرمایا ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دو مع بلوہ کے جو ان پر کیا جائے گا۔"

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں ہے:-

"فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَحَمِدَ اللَّهَ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُ الْمُسْتَعَانُ۔"

" کہ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے اس ارشاد کی خبر دی تو انہوں نے پہلے الحمد للہ کہا پھر کہا اللہ المستعان اللہ میرا مددگار رہوگا۔"

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:-

"لَمَّا أُمِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ قَالَ: فَبَايَعَ النَّاسَ، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : إِنَّ عُثْمَانَ فِي حَاجَةِ اللهِ وَحَاجَةِ رَسُولِهِ. فَضَرَبَ بِإِحْدَى يَدَيْهِ عَلَى الأُخْرَى، فَكَانَتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ أَيْدِيهِمْ لأَنْفُسِهِمْ۔" (۲۴)

" جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان کا حکم فرمایا اس وقت عثمان رضی اللہ عنہ اہل مکہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے قاصد بن کر گئے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ عثمان رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے کام میں لگا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی۔ پس رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے خود ان کے

ہاتھوں سے بہتر تھا۔"

ایک روز نبی ﷺ کی خدمت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ رسول اللہ ﷺ اسی طرح لیٹے رہے اور وہ بات کر کے لوٹ گئے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور بات کر کے چلے گئے۔ پھر سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ آئے اور آنحضرت ﷺ اٹھ کر بیٹھے کپڑے ٹھیک کر لیے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ،ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے تو آپ اٹھ کر نہیں بیٹھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اٹھ بیٹھے۔ فرمایا:-

"ألا أستحي من رجل تستحي منه الملائكة۔"

"کیا میں ایسے شخص سے شرم نہ کروں جس سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔"

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:-

"إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ، وَإِنِّي خَشِيتُ إِنْ أَذِنْتُ لَهُ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ أَنْ لَا يَبْلُغَ إِلَيَّ فِي حَاجَتِهِ۔"(۲۵)

"عثمان رضی اللہ عنہ بہت ہی شرمیلا ہے مجھے یہ خیال آیا کہ اگر ان کو ایسی حالت میں بلا لیا تو شاید وہ اپنا وہ کام بھی مجھ سے نہ بیان کر سکیں گے۔"

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:-

"يَا عُثْمَانُ إِنَّهُ لَعَلَّ اللَّهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيصًا، فَإِنْ أَرَادُوكَ عَلَى خَلْعِهِ فَلاَ تَخْلَعْهُ لَهُمْ۔"(۲۶)

"اے عثمان رضی اللہ عنہ شاید اللہ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا۔ پس اگر لوگ اسے اتارنا چاہیں تو تم اسے ہرگز نہ اتارنا۔"

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنہ کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"يقتل هذا فيها مظلوم لعثمان۔"(۲۷)

"اس فتنہ میں عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم ہو کر قتل ہوگا۔"

آثارِ صحابہ و تابعین

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:-

"من تبرّء من دين عثمان فقد تبرّء من الايمان۔"(۲۸)

"جس نے دینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بیزاری کا اظہار کیا وہ ایمان ہی سے بیزار رہا۔"

عثمان بن عبد اللہ بن موہب سے روایت ہے کہ ایک سال حج بیت اللہ میں کچھ مصریوں نے بعض آدمیوں کو بیٹھا دیکھ کر پوچھا یہ شخص کون ہے؟ کہا گیا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ ایک مصری نے ان کے پاس آکر کہا: میں آپ سے کچھ سوال کرتا ہوں اور آپ کو اس گھر کے حرمت کی قسم دلاتا ہوں کہ آپ سچ سچ بیان فرمائیں۔

۱- کیا عثمان رضی اللہ عنہ احد کے دن فرار ہو گئے تھے؟ فرمایا: ہاں۔

۲- کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بیعت الرضوان میں حاضر نہ تھے؟ فرمایا: ہاں۔

۳- کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ جنگِ بدر میں حاضر نہ تھے؟ فرمایا: ہاں۔

مصری نے کہا: اللہ اکبر!

سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ اب میں تمہارے سوالات پر روشنی ڈالتا ہوں۔ سنو جو لوگ احد میں بھاگ گئے تھے میں شہادت دیتا ہوں بے شک اللہ نے ان کو معاف فرما دیا اور ان کو بخش دیا۔ بدر میں غائب ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کے گھر میں نبی ﷺ کی بیٹی تھیں اور وہ بیمار تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرما دیا تھا کہ تمہارا اجر اور حصہ اس شخص کے برابر ہے جو بدر میں شریک ہوا اور بیعت الرضوان میں غیر حاضری کا سبب یہ ہے کہ اگر کوئی ایک بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مکہ میں عزت والا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بجائے اس کو روانہ فرماتے مگر رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ بیعت الرضوان ان کے مکہ چلے جانے کے بعد ہوئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ سے فرمایا" هٰذه يد عثمان " یعنی یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اس کے ساتھ دوسرا ہاتھ اس پر مار کر فرمایا هذا لعثمان یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس تقریر کے بعد اس (مصری) سائل سے فرمایا جاؤ اپنا جواب اس تقریر کے ساتھ لیتے جاؤ۔(۲۹)

آپ کی خصوصیات

امام عبد الرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں دو خصوصیتیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ ہیں۔ اول شہادت کے وقت تک صبر کرنا۔ دوم ایک مصحف (یعنی ایک رسم الخط کے مصحف) پر تمام مسلمانوں کو جمع کرنا۔(۳۰)

جامع مناقب شیخین و عثمان رضی اللہ عنہما

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:-

"كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَنُخَيِّرُ أَبَا بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الخَطَّابِ، ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ۔"(۳۱)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں سب سے افضل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو بتلایا کرتے تھے۔"

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:-

"أُرِيَ اللَّيلةَ رجلٌ صالحٌ أنَّ أبا بكر نِيطَ برسول الله ﷺ، ونيطَ عُمرُ بأبي بكرٍ، ونيطَ عثمانُ بعُمرَ۔"

"آج مرد صالح نے خواب دیکھا کہ نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تلے۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تلے۔"

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی محفل سے اٹھے تو ہماری رائے تھی کہ رجل صالح سے مراد خود نبی ﷺ ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ وزن ہونا خلافت نبوت ہے۔(۳۲)

امام محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

"قُلْتُ لِأَبِي أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ؟ قَالَ : أَبُو بَكْرٍ، قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : ثُمَّ عُمَرُ، وَ خَشِيتُ أَنْ يَقُولَ عُثْمَانُ، قُلْتُ : ثُمَّ أَنْتَ ؟ قَالَ : مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔"(۳۳)

"ایک دفعہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کون افضل ہے؟ فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے دیں لہٰذا میں نے خود ہی کہا پھر آپ ہیں۔ فرمایا میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔"

حواشی

(۱) رحمۃ اللعالمین جلد دوم حاشیہ صفحہ ۹۹ بحوالہ الاستیعاب
(۲) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۳) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۴) رحمۃ اللعالمین جلد دوم حاشیہ ص ۱۰۰ بحوالہ نہج البلاغۃ ص ۳۵ ۱ مطبوعہ دارالسلطنت تبریز ۱۲۹۷ ہجری
(۵) ابواب المناقب سنن ترمذی کذا فی المشکوٰۃ باب مناقب عثمان ص ۵۶۱
(۶) سنن ترمذی کذا فی المشکوٰۃ باب مناقب عثمان ص ۵۶۲
(۷) اسد الغابہ ذکر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
(۸) ابواب المناقب سنن ترمذی مترجمہ نواب وحید الزماں غفرلہ
(۹) رحمۃ اللعالمین جلد دوم ص ۹۹ بحوالہ استیعاب
(۱۰) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۱۱) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۱۲) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۱۳) رحمۃ اللعالمین جلد دوم حاشیہ ص ۱۰۱ بحوالہ نہج البلاغہ چھاپہ دارالسلطنت تبریز ۱۳۶۷ ہجری
(۱۴) اسد الغابہ ذکر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔
(۱۵) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۱۶) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۱۷) ابواب المناقب سنن ترمذی حصہ دوم مترجمہ نواب وحید الزماں صاحب غفرلہ
(۱۸) منبہات ابن حجر عسقلانی
(۱۹) سیوطی
(۲۰) مشارق الانوار بحوالہ صحیحین
(۲۱) مشارق الانوار بحوالہ صحیح مسلم
(۲۲) مشارق الانوار بحوالہ صحیح مسلم۔ کذا فی المشکوٰۃ کتاب الایمان
(۲۳) سنن الترمذی کذا فی المشکوٰۃ ص ۵۶۳
(۲۴) سنن ترمذی ابواب المناقب۔ باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کذا فی المشکوٰۃ ص ۵۶۱
(۲۵) سنن ترمذی
(۲۶) سنن ترمذی
(۲۷) سنن ترمذی
(۲۸) رحمۃ اللعالمین جلد دوم صفحہ ۹۹ بحوالہ الاستیعاب
(۲۹) سنن ترمذی کذا فی المشکوٰۃ ص ۵۶۲۔ و رواہ البخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان جلد اول ص ۵۲۳
(۳۰) تاریخ الخلفاء سیوطی
(۳۱) سیوطی بحوالہ صحیح بخاری
(۳۲) مشکوٰۃ بحوالہ ابوداود
(۳۳) تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۸ کذا فی المشکوٰۃ ص ۵۵۵

بقیہ: حضرت عثمان غنی کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع

سا صحن تھا جس میں لوگ نماز ادا کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے تمام عہد اور شیخین کے دور خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی۔ جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوگیا اور لوگ زیادہ تعداد میں حج کو آنے لگے اور حضرت عمر کے عہد میں بیت اللہ کے گرد نماز پڑھنے لگے تو نماز کے لیے جگہ اور بھی تنگ ہوگئی۔ وہ ان دیواروں کے دروازوں سے بیت اللہ کے اندر آنے لگے جو اس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ اس وقت حضرت عمر نے کعبہ شریف کے اردگرد کے مکانوں کو خرید کر گرا دیا اور انہیں بیت الحرام میں شامل کر دیا اور چھوٹی چھوٹی دیواروں سے اس کا احاطہ قائم کر دیا۔ جب حضرت عثمان کے عہد میں حاجیوں کی تعداد اور بڑھ گئی تو آپ نے حضرت عمر کے نمونے کی پیروی کرتے ہوئے اور مکان خریدے اور بیت اللہ کے احاطے میں مزید اضافہ کر دیا اور چھوٹی دیواروں سے جو انسانی قد سے بلند نہ تھیں اس کا احاطہ کر دیا انہوں نے بیت اللہ کو مسجد نبوی کے طرز پر نہیں بنوایا کیونکہ مسجد حرام خالص عبادت اور نماز کی جگہ ہے اور مسجد مدینہ سرکاری عمارت بھی تھی اور اس میں نماز بھی پڑھی جاتی تھی۔

اظہار تعزیت

محترم حافظ عبدالرب صاحب کا ۱۹-۲۰ ستمبر کی درمیانی شب کو بعمر ۸۲ سال انتقال ہوگیا۔ مرحوم بڑے عبادت گزار، صوم و صلاۃ کے پابند اور اس عہدِ مادیت پرست میں اخلاص و صداقت کی نشانیوں میں سے ایک تھے۔ وہ ایک نامور علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عبد الغفار حسن رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد اور ڈاکٹر صہیب حسن (لندن) و ڈاکٹر سہیل حسن (اسلام آباد) کے بہنوئی تھے۔ مرحوم کو مجلہ الواقعۃ سے خصوصی تعلق تھا۔ ان پر تعزیتی مضمون "الواقعۃ" کے آئندہ شمارے میں شائع کیا جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ مرحوم کی مغفرت فرما کر انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ادارہ "الواقعۃ")

مولانا فدا علی طالب

نبوت عظمیٰ کا جانشین ثالث

عثمان ذی النورین بن عفان الاموی العبشمی

حضرت عثمان کی شرافتِ خاندانی اور قومی وجاہت عام طور پر مسلم ہے، خاندانِ بنی امیہ کا اقتدار اور ان کی سیادت و وجاہت تاریخ میں اس شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے کہ اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عثمان کا نسب باپ کی طرف سے چار واسطوں سے اور ماں کی طرف سے دو واسطوں سے رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ عثمان عبدالشمس بن عبدمناف کے پوتے ہیں اور رسول ہاشم بن عبدمناف کے فرزند ہیں۔ حضرت عثمان کی والدہ ام حکیم، عبدالمطلب کی بیٹی ہیں اکثر مؤرخین کی رائے ہے کہ ام حکیم اور رسول ﷺ کے پدر بزرگوار سیدنا عبد اللہ توام پیدا ہوئے تھے۔ سرور عالم ﷺ کے قریبی قرابت دار ہونے کے علاوہ عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول ﷺ کی دامادی کا فخر بھی حاصل ہے۔ اور اس شرف میں ان کو ایسی خصوصیت ہے کہ بنی آدم میں کوئی اس منزلت میں ان کا شریک نہیں ہے۔ رسول ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ "سنن بیہقی" میں منقول ہے کہ خلقتِ آدم سے لے کر عہدِ رسول ﷺ تک سوا حضرت عثمان کے اور کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ کسی نبی کی دو بیٹیاں اس کے نکاح میں آئی ہوں۔ حضرت ام کلثوم کی وفات کے بعد رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان کے ساتھ کرتا۔ "اسد الغابہ" میں حضرت علی سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں ان سب کا یکے بعد دیگرے عثمان کے ساتھ نکاح کرتا یہاں تک کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہتی۔

حضرت علی سے کسی نے عثمان غنی کے بابت کچھ پوچھا علی مرتضیٰ نے جواب دیا کہ عثمان ملاء اعلیٰ میں ذی النورین مشہور ہیں اس لیے کہ وہ پیغمبر کی دو بیٹیوں کے شوہر تھے (سیوطی)۔ رقیہ بنت نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک دن عثمان رضی اللہ عنہ مغموم و ملول رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرور کائنات نے عثمان غنی کو رنجیدہ دیکھ کر ان کے حزن و ملال کا سبب پوچھا تو آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو مصیبت مجھ پر نازل ہوئی ہے وہ شاید دنیا میں کسی پر نہ نازل ہوئی ہوگی بنت رسول نے دنیا سے رحلت کی تو میرے اور آپ کے درمیان جو رشتہ تھا وہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا۔ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ عثمان تم یہ کہہ رہے ہو اور جبریل امین اللہ کا حکم لے کر آئے ہیں کہ میں رقیہ کی بہن ام کلثوم کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں (ابن خلدون)۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دے کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ خیر الشفع لعثمان و ما انی ازوج تبانی و لکن اللہ بزوج من۔ (ریاض)

اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے گوشت کا ایک ٹکڑا بطور ہدیہ حضرت عثمان کے پاس بھیجا۔ اسامہ خود حضور کے قاصد تھے۔ اسامہ بن زید فرماتے ہیں میں عثمان ذوالنورین کے پاس آیا، شمع جل رہی تھی اور رقیہ بنت رسول ﷺ اپنے شوہر کے پاس بیٹھی تھیں اور شمع کی روشنی سے دونوں کا چہرہ منور ہو رہا تھا میں ان کے حسن کو دیکھ کر حیران ہوگیا۔ جب واپس آیا تو رسول کریم ﷺ نے پوچھا کہ ھل رأیت زوجاً احسن منھما؟ قلت: لا یا رسول اللہ (سیوطی) (کیا تم نے اس سے قبل ان دونوں جیسا خوب صورت جوڑا دیکھا ہے تو میں نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ ﷺ نہیں دیکھا۔)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ام کلثوم کا نکاح عثمان کے ساتھ کیا اور بیٹی سے فرمایا، یا قرۃ عینی بعلک اشبہ الناس بجدک ابراہیم و ابیک محمد (سیوطی)۔ ان روایتوں سے جو مشتے نمونہ از خروارے بیان ہوئیں حضرت عثمان کا مرتبہ اور تقدس روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہے۔ نسبی فخر اور اعزاز کی جو انتہائی خوبیاں ہوسکتی ہیں وہ تمام و کمال ان کی ذات میں جمع ہیں۔

اسلام لانے میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا چوتھا نمبر ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کی روایت طبقات ابن سعد میں اس طرح منقول ہے کہ عثمان اور طلحہ و زبیر کے ساتھ رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کو اسلام لانے کی ہدایت فرمائی اور قران کی چند آیتیں ان کو پڑھ کر سنائیں۔ عثمان اور طلحہ دونوں صاحب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حبیب رب العالمین کی دست بوسی کرنے کے بعد عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم شام کے سفر سے آ رہے ہیں۔ اثنائے سفر میں ہم ایک جگہ مقیم ہوئے اور سوگئے خواب میں ہم نے ایک منادی کرنے والے کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ سونے والو اٹھو اور دوڑو احمد مرسل ﷺ مکہ میں مبعوث بہ رسالت ہو چکے۔ ہم یہ خواب دیکھ کر اٹھے اور جلد سے جلد خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔

حضرت عثمان فرمایا کرتے تھے کہ مجھ میں دس خصوصیتیں ایسی ہیں جو دوسروں میں جمع نہیں ہیں۔

اسلام لانے میں میرا چوتھا نمبر ہے۔ نبی کی دو بیٹیاں میرے نکاح میں آئیں۔ علاوہ مشہود بالجنۃ بولنے کے میں نے تین مرتبہ رسول ﷺ کے ہاتھ سے جنت خریدی۔ جس ہاتھ سے میں نے رسول ﷺ سے بیعت کی اس کو کمر کے نیچے نہیں لے گیا۔ مجھے اسلام کی طرح جاہلیت کے زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے کبائر سے محفوظ رکھا۔ اسلام میں بر بنائے تقویٰ اور جاہلیت میں بوجہ ناپسندیدگی میں نے زنا، سرقہ اور شرب خمر وغیرہ معاصی سے ہمیشہ پرہیز کیا۔ قرآن کو جمع کیا اور رسول ﷺ کو سنایا ساری امت کو ایک قرآن کی تلاوت پر جمع کیا۔ بیعت الرضوان کا باعث ہوا اور میرا ہی ہاتھ رسول ﷺ کا ہاتھ قرار پایا۔ جب سے ایمان لایا کوئی جمعہ خالی نہیں گیا کہ میں نے ایک بندہ اللہ کے نام پر آزاد نہ کیا ہو۔ (ابن خلدون، ابن الاثیر، استیعاب)

اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں عثمان رضی اللہ عنہ اغنیائے قریش سے سمجھے جاتے تھے صحابہ کے گروہ میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہمیشہ بے حد معزز و مکرم رہے۔ عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ سابقین مہاجرین کی فضیلتوں اور حفظ مراتب کا خیال کر کے ہمیشہ عہد نبوت میں یہی کہا جاتا تھا کہ ابو بکر و عمر و عثمان۔ (تہذیب التہذیب و صحیح بخاری)

عبد اللہ بن عباس و ابن عمر وغیرہ اجلّہ صحابہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ، أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ (الزمر: ۹) عثمان ذوالنورین کی شان میں نازل ہوئی (سیوطی، تاریخ الخلفاء)۔ کلبی اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: ۳) سے مراد عثمان ذی النورین ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

ابن عساکر بسند صحیح حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان میرے قریب سے گذرے اور میرے پاس ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا اس ملک مقرب نے عثمان کو دیکھ کر مجھ سے کہا کہ یہ شخص اپنی قوم کے ہاتھ سے شہید ہوگا حالانکہ ہم ملائکہ بھی اس سے حیا کرتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، فتح الباری)

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَسْتَحِي مِن عُثْمَان كَمَا تَسْتَحِي مِن اللهِ وَ رَسُولِه۔ بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عثمان کو دیکھ کر فرمایا کہ أَلَا أَسْتَحْيِي مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ۔ (فتح الباری)

ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ إِنَّهُ لَعَلَّ اللَّهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيصًا، فَإِنْ أَرَادُوكَ عَلَى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ۔ جامع ترمذی میں مرۃ بن کعب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ ایک شخص کپڑے سے اپنے منہ کو ڈھک کر ادھر سے گذرا رسول ﷺ نے فرمایا یہ شخص اس فتنہ میں حق پر ہوگا۔ میں نے اٹھ کر اس آنے والے کو دیکھا تو وہ عثمان تھے۔ میں نے ان کا چہرہ نبی ﷺ کی طرف پھیرا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ شخص حق پر ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ (تلخیص المستدرک)

جامع ترمذی میں مروی ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش عسرۃ کی مدد کی اور رسول ﷺ نے فرمایا مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ۔

حضرت ابو ہریرہ سے بسند صحیح روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں اختلاف و فتنہ پیدا ہوگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس وقت کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ تم امیر اور اس کے ساتھیوں کے بہی خواہ رہو۔ یہ فرمایا اور عثمان کی طرف اشارہ کیا (تلخیص المستدرک)۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَن يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (النحل: ۷۶) عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ (ابن سعد، تاریخ الخلفاء)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے أَصْدَقُ أُمَّتِي حَيَاءً عُثْمَانُ۔ (اصابہ، تہذیب التہذیب)

ابن عون فرماتے ہیں کہ کان أعلمهم بالمناسك عثمان، و بعده ابن عمر۔ (تاریخ الخلفاء)

قرآن کریم کے ساتھ حضرت عثمان کو ایک خاص خصوصیت ہے۔ عثمان ذوالنورین کا جامع القران ہونا اور شبانہ روز قرآن کی تلاوت میں بسر کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جو معتبر اسناد سے تاریخ و حدیث میں مرقوم ہے۔ تمام صحابہ رسول میں یہ امتیاز انہیں کو حاصل ہے کہ ایمان لائے تو قرآن کو سن کر، ساری زندگی قرآن کی تلاوت میں بسر کی، قرآن کریم کو جمع کیا۔ اختلاف قرأت کو رفع کیا۔ تمام مسلمانوں کو ایک قرآن کی تلاوت پر راضی کیا اور قرآن ہی کی تلاوت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

بیعۃ الرضوان کا واقعہ تاریخ اسلام کے اہم ترین واقعات میں ہے۔ اس بیعت کے کرنے والوں سے اللہ نے اپنی کامل خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ صحابہ رسول میں اصحاب بدر و اُحد کے بعد اصحاب بیعۃ الرضوان کا مرتبہ ہے۔ اس بیعت سے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ایک خاص تعلق ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس بیعت کا اصل سبب ہی عثمان ذی النورین ہیں تو بالکل بجا اور درست ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عثمان غنی کو سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ حضرت عثمان کے مکہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں میں یہ غلط خبر مشہور ہوگئی کہ مشرکین مکہ نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا ہے۔ حبیب رب العالمین اس خبر کو سن کر بے حد رنجیدہ ہوئے۔ اور وفور غم میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اپنے شیدائیوں سے ایک درخت کے نیچے مشرکین مکہ سے لڑنے اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں فدا کرنے کی بیعت لی۔ بیعت مکمل ہو چکی تو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ زندہ اور صحیح و سالم موجود ہیں۔ چونکہ یہ بیعت اللہ کی بارگاہ میں بے حد مقبول ہونے والی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ نہ چاہا کہ خود ان کا رسول ﷺ اس بیعت کے برکات سے محروم رہے۔ صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ عثمان اللہ اور رسول کے کام کے لیے گئے ہیں۔ میں ان کو اس بیعت سے محروم نہیں کرنا

چاہتا۔ یہ فرمایا اور اپنا دست راست اٹھایا اور کہا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے اور اپنے ہاتھ سے دست چپ پر رکھ کر عثمان غنی کی طرف سے خود بیعت فرمائی۔ ظاہر ہے کہ رسول ﷺ کا ہاتھ سارے بائعین کے ہاتھوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ جس طرح عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس بیعت کے بانی ہیں۔ اسی طرح ان کی بیعت بھی سارے صحابہ کی بیعت سے کہیں زیادہ اشرف و اعلیٰ ہے۔ (فتح الباری، استیعاب)

عثمان ذی النورین اپنی خصوصیات میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جس ہاتھ سے رسول ﷺ سے بیعت کی اس ہاتھ کو کمر کے نیچے نہیں لے گیا۔ اس روایت سے حضرت عثمان کا تقدس اور طہارت ظاہر ہے۔ سچ ہے کہ جس طاہر اور مطہر انسان کا ہاتھ سرور عالم کا دست اقدس ہو جو پروردگار کے نزدیک ید اللہ کا مرتبہ رکھتا ہو اس کی فطری اور خلقی طہارت کا مقتضیٰ یہی ہے کہ وہ اس مرتبہ کا پاکباز ہو۔ اس بیعت کے بعد تو عثمان رضی اللہ عنہ کا اس احتیاط کو مدنظر رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے قبل سے ان کا اپنے ہاتھ کی اس قدر نگہداشت کرنا ضرور ایسا تقدس اور عرفان ہے جس کی مثال مشکل سے کسی شخص کے حالات میں مل سکے گی۔

قرآن کریم کے علاوہ احادیث نبوی ﷺ کی روایت میں بھی حضرت عثمان کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تقریباً دوسو حدیثیں رسول کریم ﷺ سے روایت کی ہیں۔ اور جس خوبی کے ساتھ احادیث نبوی کو سامعین تک پہنچایا اس کی بابت معتبر اقوال احادیث و رجال میں منقول ہیں۔ طبقات ابن سعد میں عبد الرحمٰن ابن حاطب سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا کہ حاطب فرمایا کرتے تھے: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا حَدَّثَ أَتَمَّ حَدِيثًا وَلَا أَحْسَنَ مِنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ۔ (طبقات ابن سعد)

جن صحابہ اور تابعین نے حضرت عثمان سے حدیثیں روایت کیں ان کے اسماء حسب ذیل ہیں

ابان بن عثمان، سعید بن عثمان، عمرو بن عثمان، عمران ہانی البربری، ابو صالح، ابو سہلہ، یوسف، مروان بن الحکم، عبد اللہ بن مسعود، زید ابن ثابت، عمران بن حصین، ابو قتادہ، ابو ہریرہ، انس بن مالک، سائب بن یزید، ابو امامۃ، ابو امامۃ بن سہل، طارق بن شہاب، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر، عبد الرحمن بن ابی عمرہ، عبد اللہ بن عدی، عبد الرحمن بن حارث، ابو عبید، احنف بن قیس، سعید ابن المسیب، ابو سہل بن حصین ابن المنذر، سعید ابن العاص، شفیق بن سلمہ، ابو عبد الرحمن علقمہ بن قیس، عبد اللہ بن شفیق، عمرو بن سعید، مالک بن اوس، مالک بن ابی عامر، محمد بن علی، محمود بن لبید الانصاری، ابو سلمۃ بن عبد الرحمن بن عوف و آخرون۔ (تہذیب التہذیب)

امیر المومنین عمر فاروق کی شہادت کے بعد عثمان ذی النورین خلیفہ رسول مقرر ہوئے۔ عمر فاروق نے جن لوگوں پر خلافت کو محول کیا تھا۔ ان میں عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ قرعہ انتخاب انہی کے نام پڑا۔ اور تمام اکابر مہاجر وانصار نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلافت کی خبر تمام ممالک اسلام میں شائع ہوئی۔ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ امیر المومنین عمر فاروق نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ ہم اصحاب رسول نے پسماندگان میں سے سب سے بہترین شخص کو اپنا حکمران اور رسول کریم ﷺ کا جانشین تسلیم کیا ہم سب نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے تم بھی میرے ہاتھ پر ان کی بیعت کرو۔ (استیعاب، ابن الاثیر)

حضرت عثمان نے گیارہ روز کم بارہ برس خلافت کی، ان کی حکومت کا اول نصف حصہ اچھا سمجھا جاتا رہا اور اخیر نصف کی بابت مشہور ہے کہ خراب رہا۔ ۳۴ ہجری ان کی خلافت کا وہ پرآشوب سال سمجھا جاتا ہے جن واقعات کا نتیجہ ۳۵ ہجری میں خود خلیفہ کی شہادت تسلیم ہوا۔ ۳۴ و ۳۵ ہجری کے واقعات کچھ اس پیرایہ میں رونما ہوئے کہ عوام کے نزدیک ساری خرابیوں اور فتنہ انگیزی کی بناء خلیفہ وقت کی کمزوری اور غلط حکمت عملی قرار پائی اور یہی غلط اور مہمل خیال آج تک لوگوں کے دل و دماغ میں جاں گزیں ہے۔ فتنہ انگیزیوں کے جو اسباب مورخین نے لکھے ہیں وہ صرف یہ ہیں کہ انہوں نے اپنے اقرباء اور اعزہ کو حکومت کے بڑے بڑے عہدے عطا کیے اور بیت المال کا کچھ روپیہ اپنے قرابت داروں میں تقسیم کیا۔ ان اصل اعتراضات کے دو ضمیمے اور مقرر کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بہترین لوگوں کے ہوتے ہوئے کم مرتبہ اشخاص کو عمال مقرر کیا اور صحابہ رسول نے ان کو اس غلطی پر متنبہ کیا۔ معزز صحابہ رسول کے ساتھ سختی سے پیش آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر اور عمار جیسے جلیل القدر صحابی ان سے ناخوش ہو گئے اور ان بزرگوں کی ناخوشی اور عمال عثمان کی نااہلی نے دنیائے اسلام میں فساد برپا کیا۔ مروان کو اپنا دست راست اور کاتب و وزیر بنایا اور اس کی انتہائی خطا پر بھی اسے سزا نہ دی جس کی وجہ سے ساری خرابیاں رونما ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے شیخین کی اتباع سنت کا اگرچہ اقرار کر لیا تھا لیکن اس پر کاربند نہ رہ سکے۔ شیخین نے اپنے قبیلے کے کسی فرد کو عامل نہیں مقرر کیا بہ خلاف اس کے انہوں نے اکثر اُمویین کو حکومت پر فائز کیا۔

لیکن فی نفسہ نہ تو ان اعتراضات میں کوئی اہمیت ہے اور نہ ان کے ثابت ہو جانے پر خلیفہ وقت پر کسی طرح کی کمزوری یا غلطی کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ ہم ان تمام اعتراضات کو فرداً فرداً لغو اور مہمل ثابت کرتے ہیں اور اسی کی ضمن میں یہ بھی بتاتے ہیں کہ فتنہ انگیزی کا اصل راز کیا ہے جس نے ساری دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر ڈالا۔ اگرچہ ان تمام اعتراضات کا مختلف کتابوں سے اقتباس کرنا اور ان کی روایتوں کو رجال اور نیز درایت سے جانچنا اور ان پر صحیح انتقاد کرنا تو اس بات کا مقتضی ہے کہ حضرت عثمان کی ایک مکمل سوانح عمری تیار کی جائے، لیکن اس وقت نہ اس کا موقعہ ہے اور نہ اس کا کافی سامان موجود ہے ممکن ہے کہ آئندہ چل کر اللہ اس بات کی توفیق عطا کرے اور

موافق سامان واسباب پیدا ہوجائیں۔

(۱) یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اعزہ اور قرابت داروں کو حکومت میں بڑے بڑے عہدے عنایت کیے۔قبل اس کے کہ ہم اس اعتراض کو غلط ثابت کریں۔ہم حضرت عثمان غنی کے تمام عمال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔علامہ ابن حجر عسقلانی "الاصابہ فی تمیز الصحابۃ" میں حضرت عثمان کے حالات کے ضمن میں کہتے ہیں کہ ان کے آخر عہد میں چار رکن عثمان رضی اللہ عنہ کے اعزہ میں برسر اقتدار تھے۔یعنی شام پر معاویہ بن ابی سفیان، بصرہ پر سعید ابن العاص، مصر پر عبداللہ ابن سعد اور خراسان پر عبداللہ ابن عامر۔اس تحریر کے مطابق جب ہم غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الزام بالکل لغو اور مہمل ہے۔اس لیے کہ ان چاروں امیروں میں معاویہ بن ابی سفیان اور سعید ابن العاص تو عمال عمر رضی اللہ عنہ میں داخل ہیں جو عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں بھی اپنی اپنی خدمتوں پر بحال رہے، صرف عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن سعد دور عثمانی کی یادگار ہیں۔اور اگر یہی دونوں عامل سارے فساد اور کل فتنہ انگیزیوں کا باعث سمجھے جاتے ہیں تو واقعہ یہ تھا کہ ان میں سے بھی کوئی خالص اموی نہیں ہے۔ایک صاحب یعنی ابن سعد حضرت عثمان غنی کے رضاعی بھائی ہیں۔اور دوسرے عامل یعنی عبداللہ ابن عامر عثمان رضی اللہ عنہ کے حقیقی ماموں زاد بھائی کے فرزند ہیں۔ابن عامر کو جو قرابت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے وہی تعلق رسول ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہے۔عامر عبد المطلب بن ہاشم کے نواسے ہیں اور عبد الشمس بن عبد مناف کے پوتے ہیں۔یعنی عامر عثمان رضی اللہ عنہ کے حقیقی ماموں کے فرزند اور رسول اللہ ﷺ اور علی مرتضیٰ کی حقیقی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔باپ کی طرف سے ابن عامر کو ہم مجازاً اُموی کہہ سکتے ہیں نہ کہ حقیقتاً۔کیونکہ ان کے اسلاف امیہ بن عبد الشمس کی اولاد میں نہیں ہیں بلکہ امیہ کے بڑے بھائی کی نسل سے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر اموی تو ضرور عبشمی ہے، لیکن ہر عبشمی اموی نہیں ہے۔عبداللہ ابن سعد کو خاندان بنی امیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ بزرگ قبیلہ بنی عامر کے ایک رکن ہیں اور بنی عامر کا قبیلہ قریش ظواہر میں داخل ہے نہ کہ قریش بطحیٰ میں۔عسقلانی کا "اصابہ"، جزری کا "اسد الغابہ" اور ابن عبد البر کا "استیعاب"، رجال کی معتبر کتابیں موجود ہیں جن میں ابن عامر اور ابن سعد کا نسب اور ان کے حالات تفصیل سے مرقوم ہیں۔ان کتابوں کے دیکھنے سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ دور عثمانی کے پرآشوب زمانہ میں خود عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمال میں کوئی بھی خالص اموی النسل نہ تھا۔بلکہ عبداللہ ابن سعد ابی سرح بھی عمال فاروقی میں داخل ہیں۔علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے عہد معدلت میں عمرو بن العاص فاتح مصر، ملک کے گو والی تھے ان کی ماتحتی میں بالائے حصہ مصر پر جس کو سعید کہتے ہیں، عبداللہ بن سعد ابی سرح حاکم تھے۔اور نشیبی حصہ مصر پر ایک دوسرا شخص حکمران تھا۔معترضین کو ان کے بابت صرف یہ اعتراض تھا کہ جس شخص کا خون سرور عالم ﷺ نے مباح کر دیا تھا۔اس کو مسلمانوں پر حکمران مقرر کرنا نازیبا ہے ورنہ ان کی سیاست اور ان کا تدبر موافق اور مخالف ہر شخص کے نزدیک مسلمہ ہے۔ظاہر ہے کہ جس شخص نے افریقہ جیسے ملک کو اس خوبی اور تدبر کے ساتھ فتح کیا ہو کہ جس کی نظیر اسلامی تاریخ میں موجود نہیں اس پر کون نااہلی کا الزام قائم کر سکتا ہے۔اب رہا یہ امر کہ یہ ان لوگوں میں داخل ہیں جن کو سرور کائنات ﷺ نے واجب القتل قرار دیا تھا، تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے گذشتہ خطاؤں سے توبہ کر کے اعمال صالحہ کی برکت سے اپنے آپ کو ایک سچا اور پکا دیندار بنا لیا ہو اس کا تقویٰ محض اس وجہ سے کہ کسی زمانہ میں یہ شخص فاسق تھا۔ہرگز ہرگز قابل نظر اندازی نہیں ہے۔" آدمی را بچشم حال نگر"۔ان بزرگ نے رسول ﷺ کے دست مبارک پر دوبارہ توبہ کرنے کے بعد جس سلامت روی کے ساتھ زندگی بسر کی اور جس زہد و تقویٰ پر اخیر عمر تک قائم رہے اور جس طرح وفات پائی اس کا مفصل حال "اسد الغابہ"، "اصابۃ" اور "استیعاب" میں مفصل مرقوم ہے۔ابن عامر کی سخاوت، شجاعت اور وجاہت سارے قبائل عرب میں مشہور ہے۔" اسد الغابہ" اور "استیعاب" وغیرہ کتب رجال میں مرقوم ہے کہ بنی عبد الشمس میں انہی کو یہ شرف حاصل تھا کہ ہم شکل پیغمبر تھے۔علامہ جزری کہتے ہیں کہ ابن عامر جب پیدا ہوئے تو نبی کریم ﷺ کے حضور میں لائے گئے۔سرور عالم ﷺ نے ان کو اپنے آغوش رحمت میں لیا، پیار کیا اور اپنی زبان ان کو چوسائی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔یہ ضرور ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں عمال میں تغیر و تبدل ہوتا رہا لیکن یہ انتظام اور تبادلہ قطعاً سیاست کے منافی نہیں ہے۔خلیفہ وقت نے جس شخص کو جہاں اور جب مناسب سمجھا عامل اور حکمران مقرر کیا۔امیر المومنین کے ان دونوں عمال پر بھی بہت سے بیجا الزامات عائد کیے جاتے ہیں لیکن ان کے کارنامے سارے شبہات کو دور کر دیتے ہیں۔اور ہر شخص کا اپنے فرائض منصبی کو پورے طور پر ادا کرنا اس کی قابلیت اور دیانت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ابن سعد اور ابن عامر دونوں صاحبوں نے جس قابلیت اور دیانت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا اس نے موافق اور مخالف سبھوں کو بتا دیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں عامل سیاست و تدبر اور دانائی میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے کسی عامل سے کم مرتبہ نہیں ہیں۔ابن سعد کے ہاتھوں افریقہ کا سا ملک فتح ہوا۔ابن عامر نے خراسان جیسے ملک کو فتح کر کے مسلمانوں کی شوکت وعظمت کو دو چند بلند و بالا کیا۔

(۲) یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے بیت المال کا کچھ روپیہ اپنے قرابتداروں میں تقسیم کیا۔یہ اعتراض بھی بے معنی اور مہمل ہے کہ عثمان غنی نے اپنا حق بیت المال سے لیا اور بجائے اس کہ اس کو خود اپنے گھر میں رکھتے اپنے صلہ رحم کے لحاظ سے اپنے اعزہ میں تقسیم کر دیا۔یہ سچ ہے کہ شیخین نے ایسا نہیں کیا۔لیکن اگر کسی جائز شے کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہیں کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا وہ جانشین اس جائز امر سے فائدہ نہ اٹھائے۔عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو اپنا حق بیت المال سے لے کر اپنے اعزہ میں تقسیم کیا۔لیکن ان کے پیش رو حاکم وقت نے نیک نیتی اور

مصلحت کے لحاظ سے خالص بیت المال کے روپیہ سے اس طرح کی رعایتیں مد نظر رکھیں۔ شیخین کا عہد تو در کنار خود عہد رسالت میں بھی اس کی مثال ملتی ہے خلافت اولیٰ میں بھی ایک مسلمان کے عوض بیت المال کو مقتول کا خون بہا ادا کرنا پڑا خلیفہ رسول نے نیک نیتی اور مصلحت وقت کا لحاظ کر کے اس امر کو جائز رکھا کہ ضرورت کے وقت اگر بیت المال پر اس قسم کا بار پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ خود بدولت جناب سرور کائنات ﷺ اور نیز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کے ساتھ اس قسم کی رعایتیں کیں وہ علاوہ مسلمان ہونے کے رسول ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قرابت دار بھی تھے۔ اس مبحث پر میں زیادہ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اس لیے صرف اسی قدر عرض کرنا کافی ہے کہ حاکم اور امیر مصلحت ملکی یا اور کسی اور وجہ سے جو نیک نیتی پر مبنی ہو ہر وقت اس قسم کی رعایتیں کرنے کے مجاز و مختار ہیں۔

(۳) عثمان رضی اللہ عنہ نے عالی مرتبہ لوگوں کے ہوتے ہوئے کم پایہ اشخاص کو عامل اور حاکم مقرر کیا۔ یہ اعتراض بھی پہلے دو اعتراضوں کی طرح بے معنی ہیں۔ عمال شیخین کے نام تاریخ اور رجال کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی جن عامل کو مقرر کیا ان سے بھی بہتر لوگ صحابہ رسول میں موجود تھے مگر حاکم وقت نے مصلحت ملکی کا لحاظ کر کے جس فرد کو جہاں کے لیے مناسب سمجھا وہاں اس کو مقرر فرمایا۔ جس شخص نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اسے بخوبی معلوم ہے کہ شیخین کے عمال بھی سابقین و مہاجرین و انصار پر حکمراں تھے۔ خلیفہ اول کے عہد میں خالد بن ولید سارے صحابہ کے افسر لشکر تھے اور ظاہر ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نہ اصحاب بدر میں شامل ہیں اور نہ احد و اہل بیعت الرضواں میں آپ کا شمار ہے۔ اسی طرح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعض عمال بھی جن میں امیر معاویہ، عمرو ابن العاص، یزید بن ابی سفیان، سعید ابن العاص وغیرہ داخل ہیں۔ سابقین مہاجرین و انصار میں شامل نہیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے عاملوں میں ابوذر و عمار رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات کا سا زہد و تقویٰ نہ تھا لیکن سارق و زانی، بددیانت، دغاباز و بدکار بھی نہ تھے۔ صوم و صلوۃ کے پابند تھے۔ امیر کے حکم کے مطیع اور غیر مسلموں کے سرکوب تھے۔ ان کی سیاست اور قابلیت ان کے فتوحات سے ظاہر ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فتوحات دنیائے اسلام میں مشہور ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کا زمانہ بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور ملکی فتوحات کی کثرت کے اعتبار سے دور فاروقی سے کچھ کم مبارک نہیں ہے۔ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں جو ثروت مسلمانوں کو حاصل ہوئی اس کی مثال مشکل سے کسی اور زمانہ میں مل سکتی ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں ہر مسلمان کو لاکھوں درہم و دینار ملے ہیں۔ ولید ہوں یا ابن عامر۔ ابن سعد ہوں یا ابن ابی سفیان۔ حضرت عثمان نے ان صاحبوں کو خانہ کعبہ کا متولی، آستانہ رسول ﷺ کا جاروب کش، اصحاب صفہ کا نگراں کار یا حجاج کا ساقی نہیں مقرر کیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ صوبوں کے عامل اور فوجی حاکم تھے۔ اگر خالص دینی خدمت پر ان کا تقرر ہوتا اور مسجد کے امام یا اوقاف کے متولی مقرر کیے جاتے تو البتہ یہ کہنا صحیح ہوتا کہ ان کے عمال میں عمار و مقداد رضی اللہ عنہما کا سا زہد و تقویٰ نہیں ہے اور اس لیے ان کا تقرر موزوں و مناسب نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جس خدمت پر یہ مامور کیے گئے اس کو انہوں نے خوبی اور دیانت کے ساتھ انجام دیا یا نہیں۔ حضرت عثمان کی خلافت کا آخری دور ۳۱ ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ سرور عالم ﷺ کو دنیا سے رخصت ہوئے بیس سال گذر چکے تھے۔ جدید ممالک کی فتوحات سے مسلمانوں کی تعداد میں بے حساب اضافہ ہو چکا تھا۔ مصر و شام، کوفہ اور بصرہ کے مسلمان رسول ﷺ کی صحبت سے مستفید نہیں ہوئے تھے جدید ممالک جن حکومتوں کے زیر اثر تھے وہاں کے حکام اور امراء دنیاوی جاہ و جلال کے شیدائی اور ظاہری عظمت و شان کے دلدادہ تھے۔ ان ممالک کے عاملوں کو محض بوریا نشیں اور محض متوکل علی اللہ ہونا زیادہ مناسب اور موزوں نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فاروق اعظم نے بھی اپنے بعض عمال کے ظاہری جاہ و جلال پر زیادہ باز پرس نہیں کی۔ عثمان ذی النورین کے عہد میں اسلامی عاملوں کو ان جدید ممالک میں اپنی عظمت برقرار رکھنے کے لیے جاہ و حشمت کے سامان مہیا کرنے پڑے خلیفہ وقت نے ان سے باز پرس کی اور عمال نے مناسب الفاظ میں امیر المؤمنین کو مطمئن کر دیا۔ خلیفہ رسول ان کے معروضات سن کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن جن صحابہ نے اپنی ریاضت اور عبادت کی وجہ سے اپنے آپ کو بالکل دنیا سے کنارہ کش کر لیا ہے وہ دنیاوی مصلحتوں پر توجہ نہیں فرماتے اور عمال کو اپنا سا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان صحابہ کو اس کوشش میں ناکامی ہوتی ہے اور یہ حضرات عمال اور کارکنان خلافت پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان بزرگوں کے اعتراض سے وہ مسلمان جو خلیفہ وقت کی وقعت اور ذاتی عظمت اور بزرگی سے واقف نہیں ہیں۔ امیر المؤمنین سے برگشتہ ہو جاتے ہیں اور دنیائے اسلام میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ فتنہ و فساد کے اسباب کا یہ خلاصہ ہے جسے محض اجمالی طور پر بیان کیا ہے ورنہ اس مبحث پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ ابن سبا کے واقعات تاریخ میں مفصل موجود ہیں۔ اس یہودی نے اسلام کی تباہی پر کمر باندھی اور بڑے غور و فکر کے بعد اس وہ اس تہ کو پہنچا کہ اسلامی سیلاب فتوحات کو روکنے کی اس سے بڑھ کر اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ خود مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جس سے کارخانہ خلافت درہم و برہم ہو کر مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو جائے۔ یہ منافق اس راز کو اچھی طرح سمجھے ہوئے تھا کہ امیر المومنین عثمان کی ذات ایک حصن حصین ہے جس کی وجہ سے اسلام میں کوئی فتنہ برپا نہیں ہو سکتا، ان کا قدم درمیان سے اٹھ جائے تو اختلاف اور عناد کا دروازہ مسلمانوں پر کھل جائے گا۔ اور بالآخر اس کی ریشہ دوانی کارگر ہوئی اور شہادت عثمان کے ساتھ اسلام کا شیرازہ اتحاد بکھر گیا۔

(۴) عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ رسول کے ساتھ سخت کلامی کی اور ان میں سے ایک

صاحب کو حکومت سے معزول اور دوسرے کو مدینہ سے خارج البلد کر دیا۔ بہ ظاہر تو اس اعتراض سے جس قدر ان صحابہ سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے اسی قدر حضرت عثمان کی طرف سے انسان بدگمان ہوتا ہے۔ لیکن غور و فکر کے بعد ہر شخص کو اس بات کا کامل یقین ہوتا ہے کہ امیر المومنین نے جو کچھ کیا وہ عین دانائی اور تدبر پر مبنی تھا۔ ابن مسعود کے بابت تو صحیح روایت یہ ہے کہ اگر چہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو خدمت سے معزول کر کے مدینہ واپس بلا لیا۔ لیکن ابن مسعود نے نہ کبھی خلیفہ کی شکایت کی اور نہ ان کو کبھی نشانہ ملامت بنایا۔ ابن عبد البر" استیعاب" میں اور ابن سعد" طبقات الکبریٰ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے عبد اللہ ابن مسعود کو طلب کیا، مسلمانوں نے ابن مسعود سے کہا کہ تم نہ جاؤ اور خلیفہ کی طرف سے مطمئن رہو وہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ ابن مسعود نے کہا کہ امیر المومنین کے احکام کی تعمیل کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ کہا اور مدینہ طیبہ میں حاضر ہو گئے۔ ابن مسعود فرماتے تھے کہ لوگ عثمان کو برا کہتے ہیں لیکن میں ان کو نشانہ ملامت نہیں بناتا۔ اللہ کی قسم اگر یہ لوگ عثمان کو قتل کریں گے تو مسلمانوں کو عثمان کے بعد ان کا سا آدمی خلافت کے لیے میسر نہ آنے کا۔ ابن مسعود مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو امیر المومنین ان کی عیادت کو گئے اور دونوں صاحب گلے ملے اور ایک دوسرے کے حق میں دعائے مغفرت کی۔

ابوذر رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کے بابت ہم کو معتبر تاریخوں اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں صاحبوں پر اور بالخصوص حضرت ابی ذر الغفاری پر انتہائی خلوت نشینی اور زہد و ورع کی وجہ سے جذبی حالات طاری ہو گئے تھے اور اللہ و رسول کی محبت نے ان کو عالم اسباب اور اس کے ماحول سے ایسا بے نیاز کر دیا تھا کہ یہ حضرات اپنی تقریروں اور فتوؤں میں دنیاوی مصلحتوں پر بہت کم توجہ فرماتے تھے۔ امیر المومنین نے ان کے حالات پر نظر کر کے ان کو فتویٰ دینے سے روکا لیکن یہ اصحاب ایسے مغلوب الحال ہو چکے تھے کہ خلیفہ وقت کی ممانعت کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت عثمان نے انہیں بار بار روکا لیکن ان صاحبوں نے خلیفہ وقت کی ممانعت پر توجہ نہ کی بلکہ خود امیر المومنین سے سخت کلامی اور اپنے خیال کے مطابق ان پر اعتراضات کیے۔ امیر المومنین نے دنیاوی مصلحتوں کے لحاظ سے ان میں سے ایک صاحب کو خود ان کی اپنی خواہش کے مطابق مدینہ سے علیٰحدہ کر دیا اور دوسرے صاحب یعنی عمار رضی اللہ عنہ کو اور زیادہ سختی کے ساتھ ممانعت کی۔ ابوذر غفاری جب مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو امیر المومنین نے ان کے زاد سفر اور سواری کا انتظام فرما دیا اور ان کا معقول وظیفہ مقرر فرمایا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے ربذہ میں قیام کیا اور تھوڑے دنوں میں رحلت فرمائی۔ امیر المومنین نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر سنی اور ان کے حق میں دعائے مغفرت فرمائی۔ حضرت ابوذر کی صاحبزادی یا تو خود امیر المومنین کے حکم اور ان ہی کے زیر انتظام اور یا حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے ہمراہ مدینہ حاضر ہوئیں۔ حضرت عثمان نے بنت ابی ذر کو اپنے عیال میں داخل فرمایا اور ان کے کفیل اور مربی رہے (استیعاب، ابن الاثیر)۔ فاروق اعظم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ رسول کو روایت حدیث سے روکا تھا بلکہ ایک بار ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سخت باز پرس کی اور ان کو عدو اللہ اور عدو الاسلام کے الفاظ سے یاد کیا۔ فاروق اعظم کے اس سلوک سے ابو ہریرہ وغیرہ بھی ان سے ناراض رہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب کوئی عمر فاروق کا ذکر کرتا تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے: اللّٰھم اغفر لامیر المومنین۔ ابو ہریرہ، ابو سعید، ابوذر اور عمار رضی اللہ عنہم کے جلیل القدر ہونے میں شبہ نہیں لیکن فاروق اعظم اور عثمان ذی النورین ان صاحبوں سے بہ مراتب افضل و اعلیٰ ہیں۔ جس طرح ابو ہریرہ وغیرہ اصحاب رسول کی ناراضی سے فاروق اعظم کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح ابوذر اور عمار کے کبیدہ ہونے سے عثمان ذی النورین کی منقصت لازم نہیں آتی۔

(۵) یہ اعتراض کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے شیخین کی حکمت عملی کے خلاف بنی امیہ کو برسر اقتدار کیا حالانکہ ابو بکر و عمر نے کسی تیمی اور عدوی کو حاکم و عامل مقرر نہیں کیا۔ میرے نزدیک اس اعتراض کو بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تیمی تھے اور عمر رضی اللہ عنہ عدوی تھے لیکن عثمان رضی اللہ عنہ اُموی تھے۔ بنی تیم اور بنی عدی دونوں قبیلے اگر چہ شرافت اور طہارت نسب کے اعتبار سے بنی امیہ اور بنی ہاشم سے کم مرتبہ نہیں تھے لیکن حکومت اور سیادت ہمیشہ آل عبد مناف کے پاس رہی۔ آل عبد مناف میں بنی اُمیہ روسائے قریش اور بنی ہاشم مذہبی پیشوا رہے۔ جس طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی انتہائی دانائی تھی کہ انہوں نے تیمی اور عدوی کو عامل نہیں مقرر کیا اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ اور نیز علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی فراست تھی جو انہوں نے آل عبد مناف کو اپنے اپنے دور خلافت میں حاکم و عامل بنایا۔ جاہلیت میں ابو سفیان سردار قریش اور رئیس مکہ تھے اسلام میں ان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور یہ خود بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابو سفیان اور نیز دیگر اُموی ہر زمانہ میں اپنے کو مستحق سیادت اور امارت کا اہل سمجھتے رہے۔ سرور کائنات اور شیخین کے زمانوں میں بھی اس خاندان کے افراد معزز اور برسر اقتدار رہے ہیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

غتاب، خالد، ابان، عمرو و ابو سفیان یہ پانچ اراکین قبیلہ بنی امیہ کے عہد رسالت میں عامل اور حاکم تھے۔ فتح مکہ کے بعد غتاب یہاں کے حاکم مقرر ہوئے۔ غتاب جس وقت حاکم مقرر کیے گئے ان کا سن بیس سال سے کچھ زائد تھا۔ ابو سفیان صدقات کے عامل تھے اور خالد یمن کے، ابان بحرین کے اور عمرو خیبر کے حاکم تھے۔ خالد و ابان اور عمرو، تینوں بھائی عہد رسالت میں معزز عامل کی حیثیت سے اپنے اپنے صوبوں پر برسر اقتدار رہے۔ سرور عالم ﷺ کی وفات کے بعد تینوں بھائی مدینہ طیبہ واپس آئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان صاحبوں سے فرمایا کہ تم لوگ کیوں واپس آئے ہو تم تو رسول ﷺ کے عامل ہو۔ ظاہر ہے کہ عمال رسول سے بہتر ہم

کو کون حاکم مل سکتا ہے۔ تم تینوں بھائی اپنے اپنے مستقر کو واپس جاؤ میں تم کو تمہاری خدمتوں پر بحال رکھتا ہوں۔ لیکن ان صاحبوں نے عرض کیا کہ ہم لوگ بنو ابی احیحہ اور عبد الشمس بن عبد مناف کے فرزند ہیں، ہم رسول ﷺ کے عامل رہنے کے بعد کسی اور شخص کی ماتحتی میں حاکم رہنا پسند نہیں کرتے یہ کہا اور شام کو چلے گئے اور وہیں تینوں بھائی جہاد میں شہید ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد بیت اللہ کے علاوہ جو گھر کہ دار الامن قرار دیا گیا وہ ابوسفیان کا مکان تھا۔ خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر نے یزید بن ابی سفیان کو جب شام کا عامل مقرر کیا تو پا پیادہ ان کے ساتھ مشایعت کی۔ عتبہ، یزید اور معاویہ، ابوسفیان کے تینوں بیٹے عمر فاروق کے عامل تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بنی امیہ میں سوا عثمان ذی النورین کے بنی ہاشم کا سا تقویٰ اور ورع نہ تھا لیکن سیاست، تدبر اور انتظام مملکت میں یہ لوگ ہمیشہ دیگر قبائل قریش سے بہتر سمجھے گئے۔ فاروقی عہد معدلت خلافت راشدہ کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس با برکت عہد میں ہی جو لوگ برسر اقتدار اور بہترین عامل تسلیم کیے گئے وہ اسی خاندان کے افراد یعنی معاویہ، یزید اور سعید ابن العاص ہیں۔ عشرہ مبشرہ کے علاوہ کوئی تیمی رسول ﷺ کے عہد میں اور کوئی عدوی رسول ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ممتاز اور برسر اقتدار نظر نہیں آتا۔ برخلاف امویین کے جو عثمان رضی اللہ عنہ سے پیشتر بھی ہر زمانہ میں معزز عہدوں پر فائض اور سارے قبائل قریش میں ممتاز و سرفراز رہے۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی تیم کو جو ان سے پیشتر رسول ﷺ کے عہد میں اور عمر رضی اللہ عنہ نے بنی عدی کو جو ان سے قبل رسول ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں بھی برسر اقتدار نہ تھے اپنی حکومت میں شریک کار نہیں بنایا تو ان کے اس طرزِ عمل سے نہ تو ان کے اعزہ کو ان سے شکایت کا موقع مل سکتا تھا اور نہ خود ان کو کسی قسم کی دقت کے پیش آنے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ بہ خلاف عثمان کے کہ اگر یہ امویین کو جو ان کے قبل ہی سے عامل اور حاکم ہوتے چلے آرہے تھے اپنی حکومت کے زمانہ میں بھی برسر اقتدار نہ رکھتے تو ایک طرف تو ان کے بھائی ان کو قاطع رحم کے لقب سے یاد کرتے اور دوسری طرف وہ حکومت بعض قابل ترین کارکنوں کی امداد سے محروم ہو جاتی۔ آل عبد مناف کی موجودگی میں شیخین کا حاکم اور برسر اقتدار ہونا بنی تیم اور عدی کے لیے کچھ کم باعث تعجب نہ تھا جو وہ اور کسی فرد کی حکومت یا امارت کی تمنا کرتے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جس سے میرے قول کا پورا ثبوت مل جاتا ہے۔ رسول ﷺ نے دنیا سے رحلت فرمائی اور ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر کیے گئے۔ کسی بہی خواہ نے ان کے باپ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مبارک دی۔ حضرت ابوقحافہ مبارکباد دینے والے کو کاذب سمجھے اور فرمانے لگے کہ تم جھوٹ بولتے اور مجھ سے مزاح کرتے ہو۔ یہ امر ممکن ہی نہیں کہ آل عبد مناف سوا اپنے کسی دوسرے قریشی کے سامنے سر جھکائیں مبارک باد دینے والے نے شدید قسمیں کھائیں جب جا کر ان کو یقین آیا کہ ابوبکر صدیق مسلمانوں کے سردار تسلیم کر لیے گئے۔ سرور عالم ﷺ کی رحلت کے بعد تیرہ برس کا زمانہ ایسا ملتا ہے جس میں عرب و حجاز پر تیمی و عدوی حکمرانی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ قلیل مدت ہی آل عبد مناف پر گراں گزرتی مگر شیخین کا اقتدار، ان کا تقدس، ان کا تقویٰ و ورع، ان کی وجاہت اور شخصیت، ان کا اسلامی اور ایمانی امتیاز، ان کی صداقت اور راستی، ان کا عدل و انصاف ایسا زبردست اور قوی تھا کہ آل عبد مناف میں کسی فرد کو بھی چوں وچرا کی گنجائش نہ ہوئی۔ لیکن جہاں ابوبکر و عمر اپنے حالات اور اپنی شخصیت سے بخوبی واقف تھے وہاں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہر تیمی صدیق اکبر اور ہر عدوی فاروق اعظم نہیں ہے جو سادات قریش کو اپنی شخصیت سے قابو میں رکھ سکے۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ ہر اُموی سید قریش ہے اور رئیس بطحیٰ ہے اور اس قبیلہ کے ہر فرد میں حکومت اور سیادت کرنے کے جوہر موجود ہیں۔ فرماں روائے وقت کی انتہائی دانائی اور فراست یہ ہے کہ وہ قوم کے بہترین ہاتھوں کو اپنا شریک کار بنائے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھ کر اموی افراد کو اپنا دست راست اور حکومت کا کارکن بنایا لیکن افسوس کہ خلیفہ وقت کو نا فہموں کے اعتراضات اور نو مسلم اعراب کی حرص وطمع اور بعض صحابہ کے زہد اور دنیاوی بے تعلقی نے اس بات کا پورا موقعہ نہ دیا کہ وہ اپنی دانشمندانہ سیاست سے اسلام اور فتوحات اسلام کو پورا فائدہ پہنچاتے۔ رہی یہ بات کہ امیر المومنین کا یہ خیال غلط اور ان کی پالیسی تباہ کن یا یہ کہ ان کی رائے بالکل صحیح اور ان کی سیاست باعث ترقی و فلاح تھی اور بنی امیہ حاکم ہونے کی قابلیت رکھتے تھے یا یہ کہ محکوم رہ کر اپنی زندگی بسر کرنے کے لائق تھے، اس کا فیصلہ تاریخ کے صفحات کر سکتے ہیں۔ امیر معاویہ کی سطوت و سیاست، ان کا تدبر و جاہ و جلال ان کے فتوحات کی کثرت، ولید و ہشام کے کارنامے اور زوال سلطنت عرب کے بعد عبد الرحمن الداخل کا اندلس پہنچنا اور وہاں کی خود مختار سلطنت کا سنگ بنیاد رکھنا اموی حکمرانوں کی شوکت و عظمت اور ان کے عہد کی علمی ترقیاں یہ ایسے واقعات ہیں جن کا زبان سے اعتراف نہ کرنا ممکن لیکن ان کو تاریخ کے صفحوں سے مٹانا محال ہے۔

امیر المومنین عثمان کی فتوحات دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم کی شہادت کے بعد بعض بعض شہروں میں بغاوت پھوٹ نکلی ذو النورین رضی اللہ عنہ نے اس بغاوت کو فرو کرنے اور ان ممالک کو دوبارہ فتوحات اسلامیہ میں داخل کرنے کی کوشش فرمائی اور اس میں انتہائے سیاست و تدبر سے کام لے کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ اس قسم کے ممالک کے نام حسب ذیل ہیں:-

ہمدان، مرسے، اسکندریہ، آذربائیجان اسی کے ساتھ بلاد آرمینیا وغیرہ فتح ہو کر دائرہ اسلامی میں داخل ہوئے۔

دوسری قسم فتوحات کی وہ ہیں جو خود ان کے عہد میں حاصل ہوئیں اس سے پیشتر یہ ممالک بلاد اسلامی حلقہ مملکت میں داخل نہ تھے یہ فتوحات حسب ذیل ہیں:-

افریقہ جو عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کے

ہاتھوں فتح ہوا۔ اندلس جس کو عبد اللہ بن نافع القیس نے فتح کیا۔ قبرص جس کی مہم امیر معاویہ کے ہاتھوں سر ہوئی۔ فارس اور خراسان کا زور ٹوٹا اور یزدجر کی زندگی کا خاتمہ انہیں کے زمانے میں ہوا۔ کابل، زابلستان، ہرات، طالقان، فاریاب اور طبرستان کے میناروں پر انہیں کے زمانہ خلافت میں اسلامی علم نصب کیا گیا۔ (ابن خلدون، ابن الاثیر، مراۃ الجنان)

کتب سیر اور معتبر تاریخ کی کتابوں مثلاً ابن سعد، ابن الاثیر اور ابن خلدون کی ورق گردانی سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمان کو امور سیاسی میں بہت اچھا ملکہ تھا۔ حضرت عثمان نے وظائف اور نیز ما یحتاج زندگی کی تقسیم کرنے کے دن مقرر کر رکھے تھے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کا منادی آواز دیتا اور لوگوں کو ضروری چیزوں کے لینے کی دعوت دیتا۔ مسلمان صبح کو جاتے اور جو دن جس چیز کی تقسیم کا معین ہوتا اسے لے آتے۔ اللہ کی قسم اس خیر و برکت کے زمانہ میں مسلمانوں کو ایسی ثروت اور مرفہ الحالی نصیب ہوئی جس کی مثال نہیں ملتی۔ رزق کے دروازے کشادہ ہو گئے اور سارے بلاد اسلام میں امن و امان کا سکہ جاری ہو گیا۔ ایک مسلم کو دوسرے سے سوا امداد و نصرت کے کبھی بدخواہی کی امید نہ تھی۔ لیکن ناشکروں نے اور سفلہ مزاج افراد نے امیر المومنین کی ذات اور ان کی شخصیت کی قدر نہ کی اور اپنی تلوار نیام سے نکالی جس کی سزا یہ ملی کہ وہی تلوار جو کفار کو مغلوب اور مقہور کر کے ائرہ اسلامی کو روز بروز بڑھا رہی تھی خود مسلمانوں کے درمیان چلنے لگی امیر المومنین کی شہادت سے اسلام کا حصن حصین ٹوٹ گیا اور ہم پر قیامت تک کے لیے فتنہ و فساد کا دروازہ کھل گیا۔ (استیعاب)

امیر المومنین عثمان ذی النورین ہر ممکن طریقہ سے رعایا کی خبر گیری رکھتے اور عمال اور بلاد اسلام کے حالات ہر ممکن طریقہ سے دریافت فرماتے اور عمال سے پرسش اور رعایا کی اصلاح کرتے رہتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں منقول ہے کہ نماز جمعہ میں مسلمان دور دور سے آتے اور امیر المومنین سے اپنی حاجتیں پیش کرتے۔ جمعہ میں اس قدر حاجتمندوں کا ہجوم ہوتا کہ اکثر خطبہ کے درمیانی وقفہ میں بھی امیر المومنین حاجتمندوں سے ان کے حالات دریافت فرماتے تھے۔

ابن الاثیر میں لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین نے بلاد اسلام میں عام فرامین جاری کر دیئے تھے کہ جس شخص کو میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج میں حاضر ہو کر اپنی شکایت پیش کرے۔ اس کے ساتھ عمال کو یہ حکم تھا کہ ہر ذمہ دار افسر موسم حج میں امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو۔ مکہ معظّمہ میں عمال اور رعایا کے مقدمات پیش ہوتے تھے اور امیر المومنین ہر شکایت کو اس خوبی سے رفع فرماتے تھے کہ عامل اور سائل دونوں بالکل مطمئن ہو جاتے تھے۔ ہر سال معتبر صحابہ رسول عمال کے حالات دریافت کرنے کے لیے بلاد اسلام میں روانہ کیے جاتے تھے۔ محمد بن مسلمہ اور عبد اللہ بن عمر وغیرہ جلیل القدر صحابہ رسول کو یہ خدمت سپرد کر دی گئی تھی۔ زمانہ خلفشار میں بھی یہی حضرات عمال کے حالات دریافت کرنے کے لیے ممالک اسلام میں بھیجے گئے تھے۔ ان صاحبوں نے مدینہ منورہ واپس آ کر عمال کی طرف سے امیر المومنین اور دیگر صحابہ کو مطمئن کر دیا تھا۔ ریاض و ابن خلدون میں حضرت حسن کی روایت سے مرقوم ہے کہ امیر المومنین عثمان دوپہر کا کھانا کھا کر مسجد نبوی میں قیلولہ کے لیے لیٹ جاتے تھے لوگ یکے بعد دیگرے ان کے پاس آتے اور وہ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اس طرح برابر سائلوں اور حاجتمندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اس طرح مسجد میں لیٹے رہنے سے ان کے بازو پر سنگریزوں کے نشانات بن جاتے تھے۔

عثمان ذی النورین کے مزاج میں باوجود دولت و ثروت کے بے حد سادگی تھی۔ ابن خلدون میں شرحبیل بن حسنہ کی روایت سے مرقوم ہے کہ امیر المومنین مہمانوں اور سائلوں کو نفیس کھانے کھلایا کرتے تھے اور خود شہد اور زیتون کا تیل کھایا کرتے تھے کبھی کبھی محض بھنے گوشت اور سرکہ پر اکتفا فرماتے تھے۔ عبد اللہ ابن شداد فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المومنین کو جمعہ کے دن نماز پڑھتے دیکھا، اللہ کی قسم ان کو دیکھ کر مجھے بے حد عبرت ہوئی کہ جس امام عادل کے دروازے پر ہزار ہا روپیہ کی جنس اور کپڑے محتاجوں کو تقسیم ہوتے تھے خود اس کے جسم پر جو کپڑا تھا اس کی قیمت پانچ درہم سے زائد نہ تھی۔

اسی کتاب میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ عثمان غنی کی چادر ان کی خلافت کے زمانہ میں آٹھ درہم سے زائد کی نہ ہوتی تھی۔ حالانکہ ان کے دروازے پر صدہا روپیہ روزانہ کی خیرات ہوا کرتی تھی اور ان کی جوتیاں وسط سے کٹی ہوئی باریک تسمہ دار ہوتی تھی۔

ابن خلدون اور سیوطی نے لکھا ہے کہ صدقات میں ان کا یہ عالم تھا کہ صحابہ میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔ جب سے اسلام لائے ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ اگر اتفاق سے کسی جمعہ کو غلام آزاد نہ کر سکے تو دوسرے جمعہ کو دو بردہ اللہ کے نام آزاد فرمایا کرتے تھے۔

"ابن خلدون" اور "ریاض" وغیرہ معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں ایک مرتبہ بہت بڑا قحط پڑا۔ ایک روز شام کو اہل مدینہ حضرت خلیفہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ صبر کرو اللہ کے ایک محبوب ترین بندے کے ہاتھوں تمہاری مشکل حل ہو جائے گی۔ اسی رات ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے حضرت عثمان غنی کے یہاں آئے اور باوجود اس کے کہ تجار مدینہ پندرہ گنے قیمت پر خریدنے کے لیے تیار تھے لیکن ذی النورین نے مال فروخت کرنے سے قطعی انکار کیا اور سارا غلہ صدقہ میں دے دیا۔ اس واقعہ سے جس طرح کہ خلیفہ رسول صدیق اکبر نے حضرت عثمان کے حق میں کلمات خیر فرمائے وہ حضرت عبد اللہ ابن عباس سے بسند صحیح تمام کتابوں میں مرقوم ہے۔

امیر المومنین کی فیاضی اور دریا دلی کا یہ عالم تھا کہ اپنی خلافت میں بھی حج ہر سال کرتے اور موسم حج میں سارے حجاج کو کھانا کھلاتے اور اس مد میں جو رقم

صرف ہوتی اسے خود ادا فرماتے۔ بیت المال کو ان مصارف سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ یہ واقعات ابن خلدون اور ریاض وغیرہ معتبر کتابوں میں مرقوم ہیں۔

سرور عالم ﷺ کے بابرکت عہد میں اپنی سیر چشمی اور دریا دلی کی وجہ سے حبیب رب العالمین ﷺ کے ہاتھوں بار ہا جنت خریدی اور مغفرت کا وہ مژدہ سنا جو کسی صحابی کے لیے منقول نہیں ہے۔ جن الفاظ اور جس آواز میں خود اللہ نے سرور عالم ﷺ کو مژدہ مغفرت سنایا انہی الفاظ میں رسول اللہ ﷺ نے عثمان ذی النورین کو جنت اور مغفرت کی بشارت دی۔ ابن عبد البر "استیعاب" میں اور علامہ جرزی "اسد الغابۃ" میں باسناد صحیح روایت کرتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے عثمان غنی کو مخاطب کر کے فرمایا: غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا قَدَّمْتَ وَمَا أَخَّرْتَ، وَمَا أَسْرَرْتَ وَمَا أَعْلَنْتَ، وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

احیائے علوم میں جمع قرآن کا کارنامہ مشہور و معروف ہے۔ جس طرح امیر المومنین نے ساری امت کو ایک قرآن اور ایک قرأت کی تلاوت پر جمع کیا اور جس جرأت اور شفقت اور جس حسن انتظام کے ساتھ اس کام کو انجام دیا اس کا حال تمام معتبر کتب احادیث و رجال میں صحیح روایات سے منقول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عثمان ذی النورین نے یہ احسان ایسا امت محمدی پر کیا ہے کہ شکریہ نہ ادا کرنا درحقیقت اللہ کی ناسپاس گزاری ہے۔ "استیعاب"، "اسد الغابہ"، "فتح الباری" اور "ابن جریر طبری" وغیرہ مستند کتابوں میں اس کارنامہ کے حالات اور اس کے فوائد و برکات تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں محققین صحابہ اور تابعین فرمایا کرتے تھے دو خصلتیں عثمان رضی اللہ عنہ میں ایسی پائی جاتی ہیں کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما میں ان کا وجود نہیں ہے۔ ایک راضی برضاے الٰہی ہو کر انتہا صبر و استقلال کے ساتھ اللہ کی راہ میں شہادت کا مرتبہ حاصل کرنا دوسرے ساری امت کو ایک قرآن کی تلاوت پر جمع کر دینا۔

جمع قرآن کے علاوہ حضرت عثمان خود قرآن کی قرأت اور تلاوت کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ تابعین میں بہت سے حضرات حضرت عثمان ذی النورین کے شاگرد تھے جن کی قرأت کا سلسلہ آج تک دنیا میں رائج ہے۔ چنانچہ اس کا تفصیلی حال ابن جریر طبری اور نیشا پوری کی معتبر تفسیروں میں ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخوں میں مرقوم ہے۔ اسباب شہادت میں سب سے بڑا سبب مروان کا لکھا ہوا خط ہے جو محمد ابن ابی بکر کے خلاف عامل مصر کے نام خلیفہ وقت کی طرف سے لکھا گیا تھا۔

محمد بن ابی بکر نے راستہ میں قاصد کو گرفتار کیا اور اس کی تلاشی لینے کے بعد خط کو حاصل کیا اور اسے لے کر مدینہ واپس آئے۔ صحابہ رسول نے حضرت عثمان سے اس خط کی بابت دریافت کیا انہوں نے اس تحریر سے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور بہ قسم بیان کیا کہ مجھے اس خط کا کوئی اطلاع نہیں۔ صحابہ رسول اور نیز دیگر بلوائیوں نے حضرت عثمان سے مروان کو طلب کیا تا کہ اسے کذب آمیز خط لکھنے کی سزا دی جائے۔ حضرت عثمان نے مروان کو ان صاحبوں کے حوالہ کرنے سے انکار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلوائیوں نے ہجوم کر کے خود امیر المومنین کو شہید کیا۔

اس بات کی تحقیق کرنا کہ دراصل مروان ہی اس خط کے کاتب تھے یا خود ملزم کے قول کی بناء پر دشمنان خلافت کی کسی سازش سے یہ کارروائی کی گئی۔ بے حد مشکل امر ہے۔ عثمان ذی النورین سے جب لوگوں نے مروان کو طلب کیا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ اگر میں مروان کو تم لوگوں کے سپرد کروں تو تم اسے قتل کر ڈالو گے اور کسی مشتبہ شخص کو جب تک اس پر پورا جرم ثابت نہ ہو سزا دینا شریعت کے بالکل خلاف ہے۔ جس طرح میں اس خط کے متعلق بہ حلف اپنی لا علمی کا ظاہر کرتا ہوں اسی طرح مروان بھی شرعی قسم کھا کر یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے قاصد کو نہ عامل مصر کے پاس بھیجا اور نہ ابن سعد کے نام کوئی نامہ لکھا۔ تم پیشتر اسے مجرم ثابت کر لو اس کے بعد مجھ سے اسے مانگو اور سزا دو کیا معلوم کہ یہ کام کسی دوسرے نے کیا ہو۔ لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور خلیفہ کے مکان کا محاصرہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اہل شہر اور منافقین کو مروان کا نہ قتل مقصود تھا اور نہ اسے تباہ کرنے کے لیے وہ مدینہ میں آئے تھے۔ ان کا مقصد تو اسلام کے حصن حصین کو توڑنا اور اس میں فتنہ وفساد کو ہمیشہ کے لیے داخل کرنا تھا۔ جس کا بدیہی اور بین ثبوت یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مروان بھی اس مکان میں موجود ہیں لیکن ان سے کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ محمد بن ابی بکر کے ساتھ ان کے دو ساتھی مکان میں داخل ہوتے ہیں لیکن مروان کی نہ کوئی تلاش وجستجو کرتا ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا تعرض کیا جاتا ہے۔ جامع القرآن، کلام الٰہی کی تلاوت میں مشغول ہیں اسی حالت میں ان پر وار کیا جاتا ہے۔ بلوائیوں کے اس طرز عمل سے کہ انہوں نے مروان کو زندہ اور صحیح وسالم چھوڑا اور عثمان غنی پر تلوار و نیزے کی بوچھاڑ کی ضرور اس خیال کو تقویت ہوتی ہے عجب نہیں کہ یہ خط جس کی بناء پر خلیفہ مظلوم شہید اور ان کے بعد مسلمان تباہ و برباد ہوئے کسی مدعی خلافت اور دشمن اسلام ہی کی سازش کا نتیجہ ہو۔ اگرچہ یہ مبحث دقیق ہے اور ایک مقبول عام خیال کو خواہ وہ کتنا ہی غلط اور لغو کیوں نہ ہو رد کرنا اور حقیقت واقعی کو ظاہر اور دلائل سے ان کا انکشاف کرنا دقت اور تفصیل کا محتاج ہے اور اس کا اس وقت موقعہ نہیں ہے۔ لیکن اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ جس طرح جرم کا ارتکاب کرنا مذموم ہے اسی طرح مجرم کی بے جا حمایت بھی قبیح اور ہر طرح پر ناپسندیدہ ہے۔ اگر یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا کہ کاتب تحریر مروان ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ اپنے ایک عزیز قریب کی بے جا حمایت کر رہے ہیں تو امیر المومنین سے باغیوں کے مقابلہ میں قتال کی رائے دیتے وقت عبد اللہ بن سلام، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، زید ابن ثابت وغیرہ جلیل القدر اصحاب رسول امیر المومنین سے یہ کہتے کہ انت علیٰ الحق و ھم علیٰ باطل ؟۔ اور نہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حسنین جیسے فرزندوں کو خلیفہ وقت کی حفاظت کے لیے مقرر فرماتے۔

بلوائیوں کا خلیفہ برحق پر ہجوم ہوا تو صحابہ رسول میں بہت سے حضرات جانبازی کے لیے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔لیکن سبھوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے مسلمان پر تلوار چلانا منظور نہیں ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے بعد بدترین زمانہ اسلام کا وہ ہوگا جب مسلمان خود ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوں گے میں نہیں چاہتا کہ میرا عہد زمانہ شر سے تعبیر کیا جائے۔

مغیرہ بن شیبہ زمانہ محاصرہ میں خلیفہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المومنین آپ امام المسلمین ہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے اوپر کیسی مصیبت نازل ہے۔میں تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک پر عمل فرمائے۔اول یہ کہ ان باغیوں جو اہل شر اور منافق ہیں قتال کیجئے۔اگر یہ منظور نہیں ہے تو مدینہ کو چھوڑ دیجئے اور یا تو مکہ معظّمہ میں کچھ دن قیام فرمایئے اور یا شام میں معاویہ کے پاس چلے جایئے۔امیر المومنین نے جواب دیا کہ تمہاری یہ رائے کہ میں ان بلوائیوں سے لڑوں یہ تو ہرگز پسندیدہ نہیں ہے۔کیا رسول ﷺ کے بعد میں پہلا شخص ہوں جو ان کی امت پر تلوار اٹھائے اور صرف ایک جان کے بچانے کے لیے ہزار ہا کلمہ گو افراد کو خاک وخون میں ملائے حاشا وکلا، یہ تو مجھ سے کسی طرح بھی ممکن ہی نہیں۔تمہاری دوسری رائے کہ میں مکہ معظّمہ چلا جاؤں، میں عمل نہیں کرسکتا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قریش کا ایک شخص مکہ میں پناہ گزیں ہوگا اس پر نصف عذاب عالم نازل ہوگا۔تمہاری تیسرے رائے کہ میں شام میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں اس پر بھی میں عمل نہیں کرسکتا۔مجھے اپنے دار ہجرت اور اپنے محبوب کے آستانہ کی مجاورت چھوڑ کر سوا اللہ کے اور کسی بندے کے پاس جانا منظور نہیں ہے۔(تاریخ الخلفاء، استیعاب، ابن خلدون، ابن الاثیر)

عبد اللہ بن سلام امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت عثمان نے پوچھا کہ ابن سلام کیوں آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ آپ کی مدد کے لیے آیا ہوں۔امیر المومنین نے کہا کہ تم ان اشرار اور بلوائیوں کو اگر کچھ سمجھا سکتے ہو تو سمجھاؤ مجھے مدد کی ضرورت نہیں ہے۔عبد اللہ بن سلام خلیفہ کے مکان سے باہر آئے اور انہوں نے بلوائیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگ مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں، رسول ﷺ نے میرا نام عبد اللہ رکھا اور اللہ نے میرے حق میں فرمایا شھد شاھد من بنی اسرائیل و من عندہ علم الکتاب میں تم لوگوں کو آگاہ کرتا ہوں کہ یہ وہ سرزمین ہے جس کے جوار میں ملائکہ رہتے ہیں تم لوگ اللہ کے غضب سے اب تک محفوظ ہو۔اللہ کے قہر کی تلوار تمہارے لیے اب تک نیام میں ہے۔دیکھو اس شخص کو کوئی صدمہ نہ پہنچاؤ خلیفہ وقت کی ذات اسلام کے لیے حصن حصین ہے اگر ان کا قدم درمیان سے اٹھا اور تم نے ان کو قتل کیا تو واللہ تم ملائکہ کے جوار سے محروم ہو جاؤ گے اور اللہ کے غضب کی تلوار نیام سے نکل آئے گی اور تم قیامت تک فتنہ وفساد میں مبتلا رہو گے۔اگر تم نے عثمان کا خون زمین پر گرایا تو تم پر آسمان سے خون برسے گا اور تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔لیکن ابن سلام کی اس تقریر کا بھی بلوائیوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور حضرت ابن سلام روتے ہوئے اپنے مکان میں واپس گئے۔(ترمذی، ابن الاثیر، ابن خلدون)

بلوائیوں کا ہجوم دیکھ کر خود امیر المومنین ان کے سامنے آئے اور اشرار کو مخاطب کر کے فرمایا ایھا الناس، تم جانتے ہو کہ رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص بئر رومہ کو خرید کر اس کا پانی مسلمانوں پر وقف کر دے اس کے لیے جنت ہے۔میں نے اس کنویں کو اپنے خالص مال سے خریدا اور اسے تمہارے لیے وقف کیا۔سارے مجمع سے آواز آئی۔اللّٰھم نعم۔امیر المومنین نے فرمایا بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج اسی کنویں کا پانی تم نے میرے اوپر بند کر دیا ہے۔تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کو جو شخص فلاں ٹکرا زمین کا خرید کر اسے مسجد میں شامل کر دے اس کے لیے قصر جنت ہے۔میں نے اس زمین کو خریدا اور اسے تمہارے لیے عام کیا سبھوں نے جواب دیا: اللّٰھم نعم۔حضرت عثمان نے فرمایا کس قدر افسوسناک ہے کہ تم اسی مسجد میں مجھے دو رکعت نماز تک ادا نہیں کرنے دیتے۔کیا تم جانتے ہو کہ رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو شخص جیش عسرۃ کی امداد کرے اس کے لیے جنت ہے۔میں نے اپنے خالص مال سے مجاہدین کے لیے ساز وسامان مہیا کیا اور رسول ﷺ نے میرے حق میں فرمایا کہ رفیقی فی الجنۃ عثمان۔بلوائیوں نے جواب دیا:اللّٰھم نعم۔امیر المومنین نے ان اشرار کو سمجھایا اور ان سے کہا کہ دیکھو مجھے بے گناہ قتل نہ کرو اگر تم نے میرا قدم درمیان سے اٹھایا تو اللہ کی قسم تم پھر کبھی جمع نہ ہو گے اور اسلام میں فتنہ وفساد داخل ہوجائیں گے اور مسلمانوں کی جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔لیکن اشرار نے بجائے اس نصیحت پر عمل کرنے کے امیر المومنین پر پتھر پھینکے۔حضرت عثمان انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے سامنے سے ہٹ گئے۔(ابن سعد، ابن الاثیر، ابن خلدون، استیعاب وغیرہ)

زید ابن ثابت جیسے جلیل القدر صحابی انصار کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آستانہ خلافت پر حاضر ہوئے اور امیر المومنین سے کہا کہ انصار دروازے پر حاضر ہیں۔اگر آپ حکم دیں تو ہم دوبارہ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کریں۔امیر المومنین نے جواب دیا کہ اگر تمہارا منشا قتال ہے تو یہ مجھے منظور نہیں۔(ابن سعد)

حضرت ابو ہریرہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان اشرار کا فتنہ دفع کیجئے۔ہمیں حکم دیجیے کہ ہم ان کو مدینہ کے باہر کر دیں۔حضرت عثمان نے جواب دیا کہ اگر یہ امر بغیر قتال کے ممکن ہے تو ایسا کرو ورنہ ہرگز اس کا ارادہ نہ کرو۔(ابن سعد، ابن خلدون)

خلیفہ خود محصور ہیں اور حج کا زمانہ آگیا۔حضرت عثمان، عبد اللہ ابن عباس کو امیر الحج مقرر کر کے مکہ روانہ کرتے ہیں۔عبد اللہ ابن عباس خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ امیر المومنین مجھے ان اشرار اور منافقین سے جہاد کرنا

طواف بیت اللہ سے زیادہ عزیز ہے۔ عثمان ذی النورین انہیں مناسب الفاظ میں سمجھا کر واپس کر دیتے ہیں۔ امیر المومنین اپنے غلاموں کو بھی جن کی تعداد تقریباً چار سو ہے آمادہ قتال دیکھ کر فرماتے ہیں من اغمد سیفه فهو حر اللہ۔ اور اس طرح سارے غلام آزاد ہو جاتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

شہادت سے دو روز قبل بلوائیوں کا اور زیادہ ہجوم ہوا۔ حضرت حسن سبط رسول ﷺ، حسین ابن علی، محمد بن طلحہ، عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ ابن زبیر، خلیفہ رسول کی محافظت کے لیے ان کے مکان پر آئے اور برابر بلوائیوں کو دفع کرتے رہے۔ (ابن الاثیر)

عین شہادت کے روز امیر المومنین نے روزہ رکھا اور صبح کو آرام کیا۔ خواب سے جاگے تو اپنے چند ہم نشینوں سے فرمایا کہ اگر لوگ یہ نہ کہیں کہ عثمان کو اپنے قتل کی تمنا اور اس فتنہ کی آرزو تھی تو میں تم لوگوں سے ایک بات کہوں۔ ان صاحبوں نے عرض کیا کہ معاذ اللہ خلیفہ رسول اللہ کے بابت کبھی ایسا خیال قائم نہیں کر سکتے۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ میں نے ابھی اپنے حبیب کو خواب میں دیکھا کہ میرے پاس تشریف لائے اور ان کے ہمراہ میرے دونوں بھائی ابو بکر و عمر بھی تھے۔ رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عثمان آج شام کو تم ہمارے پاس آ کر روزہ افطار کرو۔ ابو بکر و عمر نے بھی مجھ سے کہا کہ آؤ اور ہمارے پاس روزہ افطار کرو۔ اب تم لوگ میرے پاس سے جاؤ اور اپنے اپنے مکانوں میں آرام سے بیٹھو۔ امیر المومنین نے ان صاحبوں کو رخصت کیا اور خود قرآن کی تلاوت میں مشغول ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔

بلوائیوں کے ہجوم کے وقت امیر المؤمنین سے جو صحابہ کا گروہ ان اشرار سے قتال کرنے کے بابت زیادہ اصرار کرتا تھا ان سے آپ یہ فرما دیتے تھے کہ میرے حبیب جو عہد مجھ سے لے چکے ہیں میں اس پر قائم ہوں۔ یہ عہد بھی عثمان رضی اللہ عنہ اور رسول ﷺ کے درمیان ایک عجیب راز و نیاز ہے جو ام المومنین صدیقہ طاہرہ سے بسند صحیح اس طرح مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے رحلت سے ایک روز قبل کچھ افاقہ پا کر فرمایا کاش میرا کوئی محبوب صحابی اس وقت میرے پاس آتا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلائیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو بلائیں، آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا اس پر بھی آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ آخر میں میں نے پوچھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیں، آپ نے فرمایا کہ اللّٰهم نعم۔ عثمان حاضر ہوئے اور آپ نے اشارہ سے ہم سب کو اپنے پاس سے دور ہٹا دیا۔ رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ سے عثمان کا سر جھکایا اور دیر تک ان سے سرگوشی فرماتے رہے میں دیکھ رہی تھی کہ رسول ﷺ کچھ باتیں کر رہے ہیں اور عثمان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔ رسول ﷺ کی وفات کے پچیس برس بعد ہم پر کھلا کہ یہ سرگوشی اسی واقعہ کی بابت تھی اور یہ وہی عہد تھا جس کے بابت عثمان بار بار ذکر کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد)

امیر المومنین شہید ہوئے آپ کی بی بی نے کوٹھے پر چڑھ کر بآواز بلند کہا کہ قُتِلَ اَمِيرُ المومنین۔ صحابہ رسول اپنی اپنی جگہ سے دوڑے امیر المومنین علی مرتضیٰ نے اپنے صاحبزادوں، اور طلحہ اور زبیر کے بیٹوں کو سخت وسست الفاظ سے یاد کیا اور روتے ہوئے واپس گئے۔ (ابن الاثیر)

عبد اللہ بن سلام نے شہادت کی خبر سنی اور رو کر فرمایا کہ اليوم هلكت العرب۔ (طبقات ابن سعد)

زید بن ثابت نے شہادت کی خبر سنی تو اس قدر روئے کہ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد)

ثمامہ بن عدی، رسول ﷺ کے معزز صحابی کو شہادت کی خبر پہونچی اور انہوں نے فرمایا کہ آج خلافت نبوت کا خاتمہ ہوا اور حکومت جبری ہو گئی۔ اب جس کا غلبہ ہو گا وہ اپنا بھلا کرے گا۔ (ابن سعد)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب سنا کہ امیر المومنین شہید ہوئے تو رو کر فرمایا کہ ایک دن وہ تھا کہ ہم اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے مدینہ میں آئے تھے۔ ایک آج کا دن ہے کہ ہم اپنے ایمان کو بچانے کے لیے مدینہ سے بھاگتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے شہادت کی خبر سنی اور واویلا مچانے لگے۔ جب گریہ وزاری سے افاقہ ہوا تو فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ سچے صادق القول تھے، حضور نے فرمایا تھا کہ ۳۵ ہجری میں اسلام کی چکی کا رخ پھر جائے گا۔ واللہ اس مظلوم کی شہادت نے ہم کو بڑی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا۔ حذیفہ بن یمان صاحب سر رسول اللہ نے واقعہ شہادت کو سنا اور رو کر فرمایا کہ اسلام میں پہلا فتنہ عثمان کا قتل ہے اور آخری فتنہ دجال کا خروج ہوگا۔ خدا کی قسم جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی قاتل عثمان کی محبت ہوگی وہ اگر دجال کو پائے گا تو زندگی میں اس پر ایمان لائے گا اور اگر نہ پائے گا تو قبر میں اس پر ایمان لائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

امام ذہبی نے حضرت عثمان کے فضائل اور ان کی خصوصیات کو نہایت مختصر جامع اور دلچسپ پیرایہ میں کہا ہے۔ میں امام موصوف کی عبارت کو بجنسہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔

أمير المؤمنين عثمان ابن عفان ذو النورين: ومن تستحي منه الملائكة، ومن جمع الأمة على مصحف واحد بعد الاختلاف، ومن افتتح نوابه إقليم خراسان وإقليم المغرب، وكان من السابقين الاولين الصادقين القائمين الصائمين المنفقين في سبيل الله، ممن شهد له رسول الله ﷺ بالجنة، وهو أفضل الصحابة بعد الشيخين، اكمل الحياء والايمان، جامع أيات القرآن، وكان ممن جمع بين العلم والعمل والصيام والتهجد والجهاد فى سبيل الله وصلة الارحام والاحسان، حاصر رؤس الفتنة والشر، وقاتلوه قتلهم الله تعالىٰ فصبر وكف نفسه وعبيده حتى قتل صبر فى داره والمصحف بين يديه۔

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مدافعت

چند مدافعانہ روّیوں کے تناظر میں

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اللہ کے محبوب بندے اور تقویٰ و صالحیت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ ان کی حق پرستی اور صداقت آفرینی ہی تھی جس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے انہیں اس امت مسلمہ کے دس بڑے مسلمانوں میں سے ایک بنا دیا۔ یہ امت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے احسانوں سے کبھی سبک دوش نہیں ہوسکتی اور نہ ہی خونِ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے مقدس چھینٹوں کا قرض اتار سکتی ہے جسے بڑی بے دردی سے بہایا گیا۔

تاریخ کا مطالعہ بہت دل چسپ ہے۔ اس پر فکر و تدبر سے جہاں ہم پر حقیقتوں کے در وا ہوتے ہیں، وہیں اس سے اغماض اور تساہل سے معلوم حقیقتیں بھی مستور ہو جاتی ہیں۔

بعض لوگ تاریخ کے روشن مینار ہوتے ہیں مگر افسوس کہ انہیں تاریک گلیاں میسر آتی ہیں۔ وہ صرف دنیا کو دیتے ہیں مگر دنیا سب کچھ لے کر بھی احسان فراموشی کی ہر ہر رسم تازہ کر دیتی ہے۔

تاریخ کی ایسی ہی معلوم و مظلوم شخصیتوں میں ایک شخصیت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جن کی زندگی میں ان پر ناروا الزامات عائد کیے گئے اور جنہوں نے خون کے مقدس قطروں سے ان الزامات کو دھویا۔

حاملِ ایمان قلوب کے لیے تو ان الزامات کا جواب نہایت آسان تھا۔ صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمتِ ناروا تراشا، جس سے بعض اہل ایمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تو اللہ رب العزت نے ایک آسمانی تنبیہ نازل کی، جس میں ایمانی سبق پوشیدہ تھا:-

لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًاۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ (النور: ۱۲)

" جب تم لوگوں نے یہ سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے دل میں اچھا گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔"

اللہ رب العزت نے یہ بھی بتا دیا کہ

لِكُلِّ امۡرِىٴٍ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ‌ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ (النور: ۱۱)

" جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اتنا ہی گناہ کمایا اور ان میں سے جو اس تہمت کے بڑے حصے کا ذمہ دار بنا اس کے لیے عذابِ عظیم ہے۔"

اہل ایمان پر تعظیم عثمان لازم تھا اور ہے۔ ایک ایسے صحابیِ رسول جسے زبانِ رسالت نے اللہ رب العزت کی دائمی رضامندی اور جنت کی بشارت دی۔ جس کے لیے مَا عَلَى عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ کے الفاظ رسول اللہ ﷺ نے ادا کیے۔ اسے بھلا تہمت تراشوں کی دشنام طرازیاں کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ ایک ایسی واحد عظیم شخصیت جس کے حرم میں رسول کی دو بیٹیاں آئیں۔ جسے اللہ کی راہ میں دو ہجرتوں کا اعزاز حاصل ہوا۔ ایسی برگزیدہ ہستی کے لیے تہمت تراش زبانیں خواہ کچھ ہی کہیں ہمارے لیے تو صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے: هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ

فتنہ سبائیت نے عثمان (رضی اللہ عنہ) کے کردار پر جو الزامات عائد کیے ان کے جوابات تو اسی وقت ادا ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام کے مقدس گروہ اور اہل ایمان کے پاکیزہ قلوب نے ان الزامات کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ مگر سبائی فتنہ اتنا معمولی نہ تھا اس کے اثرات دور رَس تھے۔ یہ فتنہ بار بار جاگتا رہا اور اس کے اثرات کئی بار مرتب ہوتے رہے۔ افسوس خود مسلمان اہل علم و تحقیق بھی ان الزامات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

دوسری طرف پوری امت محمد یہ حق و انصاف کی عدالت میں، تاریخ کے صفحات پر عثمان رضی اللہ عنہ کی وکیلِ صفائی تھی۔

ذیل میں چند مدافعانہ روّیوں کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ یہ جائزہ ناقدانہ بھی ہے اور چند نئی جہتوں کی جستجو کا باعث بھی۔

بنی امیہ سے عمال کا تقرر

حضرت عثمان پر سبائی فتنہ پردازوں نے ایک الزام یہ عائد کیا کہ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں بڑی تعداد میں بنو امیہ سے عمال (گورنرز) کا تقرر کیا۔ اس کا جواب تو خیر اسی وقت دیا جا چکا تھا۔ بنی امیہ سے تعلق رکھنے والے عہدِ عثمانی کے کئی عمال پہلے سے اس عہدے پر فروکش تھے۔ حضرت عثمان نے بنی امیہ سے تعلق رکھنے والے چند افراد کا تقرر کیا جسے مجموعی تعداد کے پیش نظر کثیر یا غالب حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت عثمان کی مدتِ خلافت قریباً ۱۲ برس ہے۔ اس عہد کے کسی قابل ذکر مسلمان نے کبھی ان پر یہ الزام عائد نہیں کیا کہ انہوں نے کاروبارِ خلافت کو اپنے خانوادے تک محدود کرنے کی کوشش کی۔ گویا یہ الزام خالص سبائی ذہن کا پیداوار تھا۔ حضرت عثمان مسلمانوں کے بہی خواہ تھے ان پر لازم تھا کہ وہ اپنی دانست میں بہتر سے بہتر عامل مسلمانوں پر مقرر کرتے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس مقام پر جواب دیتے ہوئے اکثر مدافعین معلوم حقیقتوں کو ترک کر کے مستور خواہشات کو ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً یہ تصور کہ بنی امیہ حکمرانی کی اعلیٰ ترین صلاحیت رکھتے تھے جس سے دیگر عرب بشمول دیگر قریش محروم تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے تصورات کے لیے کوئی نصِ قطعی ان کے پاس نہیں۔ حدیث میں الائمة من القریش کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، کاروبارِ خلافت کو بنی امیہ تک محدود نہیں کیا گیا۔

فنِ جہاں بانی ایک فطری فن ہے۔ جس شخص میں اس کے فطری جوہر نہ ہوں وہ تمام تر کوششوں کے باوجود بھی یہ جوہر اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتا۔ قدرت اپنے انمول تحفے صرف ایک گھرانے کے لیے کبھی مخصوص نہیں کرتی۔ تاہم اکثر مدافعین اس حقیقت کو فراموش کر گئے۔ مثلاً مولانا فدا علی طالب لکھتے ہیں:-

" ہم سب جانتے ہیں کہ ابوبکر رضی للہ عنہ تیمی تھے اور عمر رضی اللہ عنہ عدوی تھے لیکن عثمان رضی اللہ عنہ اُموی تھے۔ بنی تیم اور بنی عدی دونوں قبیلے اگرچہ شرافت اور طہارت نسب کے اعتبار سے بنی امیہ اور بنی ہاشم سے کم مرتبہ نہیں تھے لیکن حکومت اور سیادت ہمیشہ آل عبد مناف کے پاس رہی۔ آل عبد مناف میں بنی اُمیہ روسائے قریش اور بنی ہاشم مذہبی پیشوا رہے۔ جس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی انتہائی دانائی تھی کہ انہوں نے تیمی اور عدوی کو عامل نہیں مقرر کیا اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ اور نیز علی رضی اللہ عنہ کی انتہائی فراست تھی جو انہوں نے آل عبد مناف کو اپنے اپنے دور خلافت میں حاکم و عامل بنایا۔ .... ابوسفیان اور نیز دیگر اُموی ہر زمانہ میں اپنے کو مستحق سیادت اور امارت کا اہل سمجھتے رہے۔ .... فاروقی عہد معدلت خلافت راشدہ کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اس بابرکت عہد میں ہی جو لوگ برسر اقتدار اور بہترین عامل تسلیم کیے گئے وہ اسی خاندان کے افراد یعنی معاویہ، یزید اور سعید ابن العاص ہیں۔ .... عشرہ مبشرہ کے علاوہ کوئی تیمی رسول ﷺ کے عہد میں اور کوئی عدوی رسول ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ممتاز اور برسر اقتدار نظر نہیں آتا۔ برخلاف امویین کے جو عثمان رضی اللہ عنہ سے پیشتر بھی ہر زمانہ میں معزز عہدوں پر فائض اور سارے قبائل قریش میں ممتاز و سرفراز رہے۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی تیم کو جو ان سے پیشتر رسول ﷺ کے عہد میں اور عمر رضی اللہ عنہ نے بنی عدی کو جو ان سے قبل رسول ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں بھی برسر اقتدار نہ تھے اپنی حکومت میں شریک کار نہیں بنایا تو ان کے اس طرزِ عمل سے نہ تو ان کے اعزہ کو ان سے شکایت کا موقع مل سکتا تھا اور نہ خود ان کو کسی قسم کی دقت کے پیش آنے کا احتمال ہو سکتا تھا۔ بہ خلاف عثمان کے کہ اگر یہ امویین کو جو ان کے قبل ہی سے عامل اور حاکم ہوتے چلے آ رہے تھے اپنی حکومت کے زمانہ میں بھی برسر اقتدار نہ رکھتے تو ایک طرف تو ان کے بھائی ان کو قاطع رحم کے لقب سے یاد کرتے اور دوسری طرف وہ حکومت بعض قابل ترین کارکنوں کی امداد سے محروم ہو جاتی۔ .... سرور عالم ﷺ کی رحلت کے بعد تیرہ برس کا زمانہ ایسا ملتا ہے جس میں عرب و حجاز پر تیمی و عدوی حکمرانی کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ قلیل مدت ہی آل عبد مناف پر گراں گزرتی مگر شیخین کا اقتدار، ان کا تقدس، ان کا تقویٰ و ورع، ان کی وجاہت اور شخصیت، ان کا اسلامی اور ایمانی امتیاز، ان کی صداقت اور راستی، ان کا عدل و انصاف ایسا زبردست اور قوی تھا کہ آل عبد مناف میں کسی فرد کو بھی چوں و چرا کی گنجائش نہ ہوئی۔ لیکن جہاں ابوبکر و عمر اپنے حالات اور اپنی شخصیت سے بخوبی واقف تھے وہاں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہر تیمی صدیق اکبر اور ہر عدوی فاروق اعظم نہیں ہے جو سادات قریش کو اپنی شخصیت سے قابو میں رکھ سکے۔ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ یہ جانتے تھے کہ ہر اُموی سید قریش ہے اور رئیس بطحیٰ ہے اور اس قبیلہ کے ہر فرد میں حکومت اور سیادت کرنے کے جوہر موجود ہیں۔" (۱)

بعثت رسول کے وقت قریش کی بارہ شاخوں کو مکہ مکرمہ کی سیاست و تمدن میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ ان میں عددی لحاظ سے سب سے بڑی شاخ بنی امیہ کی تھی۔ اس لیے انہیں سیاسی رسوخ بھی حاصل تھا اور ایسا ہونا فطری بھی تھا۔ تلك الايام نداولها بين الناس کا قانون ہمیشہ تاریخ کے عروج و زوال کی داستان بن کر ظاہر ہوتا رہا ہے۔

اسلام نے عرب کی سیاست اور اس کے تمدن کو بہت کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں اور دیگر مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قریش کی ایک شاخ بنو تیم کے سربراہ کی حیثیت سے کبھی نہیں دیکھا بلکہ انہیں اپنا خلیفہ افضل البشر بعد الانبياء بالتحقيق ابو بكر الصديق کی بنیاد پر منتخب کیا۔ ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے عدوی نہیں جانا بلکہ ان کے لیے زبانِ رسالت سے نکلے ہوئے یہ مقدس الفاظ یاد رکھے لو كان بعدي نبيا لكان عمر۔

یہ سمجھ لینا کہ " ہر اُموی سید قریش ہے اور رئیس بطحیٰ ہے اور اس قبیلہ کے ہر فرد میں حکومت اور سیادت کرنے کے جوہر موجود ہیں۔"

فطرت کے اصولوں سے عدم واقفیت کا مظہر ہے۔ کیا صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) جیسی حکمرانی کی کوئی ایک مثال بھی بنی امیہ اپنی تاریخ سے پیش کر سکتی ہے؟ بنی امیہ پر ہی اس کا انحصار نہیں بلکہ پوری انسانی تاریخ صدیق و فاروق کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں براہِ راست تربیت نبوی کے فیض یافتہ تھے۔ جیسی عظیم اور کثیر صحبت انہیں میسر آئی کسی دوسرے کو نہ آ سکی۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ان کے سوا اور کون ہے جو اپنی نمایاں اور امتیازی حیثیت رکھتا ہو؟ جو اس عہد کی تاریخ پر اثر انداز ہو؟ جس کے لیے قرآنی آیات کا نزول ہوا ہو؟

جہاں تک ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) نے کسی تیمی یا عدوی کو کاروبارِ خلافت میں شریک نہیں کیا۔ تو اس کی وجہ کسی تیمی یا عدوی کی عدم صلاحیت نہیں۔ بلکہ ان دونوں کا کمالِ ورع و تقویٰ تھا۔ حضرت ابوبکر کے دو داماد طلحہ و زبیر (رضی اللہ عنہما) عشرہ مبشرہ کے معزز رکن تھے۔ حضرت طلحہ کا تعلق بنو تیم سے تھا۔ مگر ان دونوں کو

حضرت ابوبکر نے اپنے عہدِ خلافت میں کبھی کوئی عہدہ نہیں دیا۔ یہ دونوں اس پایے کے اشخاص ہیں کہ جنہیں حضرت عمر شایانِ خلافت سمجھتے ہوئے خلافت کے لیے چھ رکنی وفد میں بھی نامزد کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبد الرحمٰن بن ابی بکر کا شمار عظیم جرنیل صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت عمر کے بہنوئی حضرت سعید بن زید کا شمار بھی عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ وہ نسباً عدوی بھی تھے۔ حضرت عمر کے آخری ایام میں خود ان کے علاوہ عشرہ مبشرہ کے سات ارکان زندہ تھے۔ انہوں نے عشرہ مبشرہ سے وابستہ چھ افراد کو خلافت کے لیے نامزد کیا لیکن عشرہ مبشرہ کے ساتویں رکن سعید بن زید کو نامزد نہیں کیا کیونکہ وہ ان کے حقیقی بہنوئی تھے۔ حضرت سعید نے ۵۱-۵۲ھ میں وفات پائی۔ اگر حضرت عمر انہیں ممکنہ خلافت کے بورڈ کا ایک رکن نامزد کر جاتے تو یہ عین مبنی بر انصاف ہی ہوتا مگر یہ حضرت عمر کا کمالِ تقویٰ ہی تھا کہ انہوں نے حضرت سعید کو خلافت کے لیے نامزد نہیں کیا۔ حضرت عمر کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عمر کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ بعض صحابہ کی خواہش تھی کہ حضرت عمر انہیں خلافت کے لیے نامزد کریں مگر حضرت عمر نے انہیں بھی کاروبارِ خلافت سے دور رکھا۔

ہمارے یہاں تاریخ کا علم رکھنے والے تو میسر آ جاتے ہیں مگر تاریخ کے ساتھ انساب سے دل چسپی رکھنے والے خال خال ہی ہیں۔ قریش کی یہ بارہ شاخیں آپس کی رشتے داریوں سے منسلک تھیں۔ گو یہ بارہ شاخیں تھیں مگر ہر شاخ دوسری شاخ سے مصاہرانہ تعلق رکھتی تھی۔

حضرت عثمان نے بنی امیہ کی غیر معمولی تعداد کو کاروبارِ خلافت میں دخیل نہیں کیا تھا۔ بنی امیہ کے جو اراکین کاروبارِ خلافت سے منسلک تھے ان میں سے کئی ایک ان کے عہدِ خلافت سے قبل منسلک چلے آ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے ان پر کبھی ایسا کوئی الزام عائد ہی نہیں کیا۔ سبائی اعتراضات کے جواب کے لیے ایسے ہوائی قلعے تعمیر کرنا قطعاً درست نہیں۔

بیت المال سے اپنے رشتے داروں کو نوازنا

حضرت عثمان پر دوسرا بڑا الزام یہ عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیت المال سے اپنے قریبی رشتے داروں کو عطیات عطا کیے۔ آج کی اصطلاح میں گویا حضرت عثمان پر کرپشن کا الزام عائد کیا گیا۔ حضرت عثمان نے اپنی زندگی کے (غالباً) آخری خطاب میں اپنے اوپر عائد الزامات کی بخوبی وضاحت کی تھی جس کی تمام کبار حاضر صحابہ نے پُر زور تائید کی۔ ان میں اس الزام کی بھی وضاحت موجود ہے۔ انہوں نے اپنے اقرباء کو جو کچھ دیا وہ ان کا ذاتی مال سے انفاق ہے۔ جس پر کسی کے لیے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

عام طور پر مدافعین حضرت عثمان کی اسی تقریر کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن سیرت عثمان کے زریں صفحات سے کئی ایک قیمتی جہتیں ظاہر ہوتی ہیں جو اس الزام کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتی ہیں۔

حضرت عثمان صرف قریش کے نہیں بلکہ عرب کے امیر ترین افراد میں سے ایک تھے۔ خورشید احمد فارق، شہادت کے وقت حضرت عثمان کی معاشی حیثیت اور جائیداد سے متعلق لکھتے ہیں:-

"عثمان غنی (المتوفی ۳۵ھ) بارہ لاکھ پچاس ہزار روپئے، اور بقول بعض ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپئے۔ دس لاکھ روپے اور بقول مسعودی پانچ لاکھ روپے کی جائیداد جو انہوں نے زندگی ہی میں عزیز و اقارب میں بانٹ دی تھی، ہزار اونٹ، ایک حویلی۔" (۲)

غزوہ تبوک کے موقع پر جیش عسرۃ کی تیاری حضرت عثمان کے مال سے ہوئی۔ مدینہ کے مفلوک الحال مسلمانوں کی خشک ہونٹوں کو عثمان (رضی اللہ عنہ) ہی نے بئر رومہ کا کنواں خرید کر تر کیا۔ عہدِ رسالت ﷺ میں مسجد نبوی کی توسیع کے لیے عثمان (رضی اللہ عنہ) ہی نے اس کے متصل زمین خرید کر فی سبیل اللہ وقف کی۔ عہدِ صدیقی میں پڑنے والے قحط کے لیے عثمان (رضی اللہ عنہ) ہی نے اپنے غلے کی بوریاں اور اناج کے ہر ہر دانے کو مسلمانوں پر نثار کر دیا۔ خود اپنے دورِ خلافت میں ہر سال حجاجِ کرام کی ضیافت اپنی جیبِ خاص سے کی۔ مسجد نبوی کی پختہ تعمیر کا مرحلہ آیا تو اپنے ذاتی مال سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کو جس شخص نے سب سے پہلے پختہ تعمیر کرایا وہ بھی عثمان (رضی اللہ عنہ) ہی ہیں۔ یہ سب تاریخ کی معلوم حقیقتیں ہیں۔ اسلامی ریاست تو عثمان (رضی اللہ عنہ) کے اقتصادی احسانات کی زیر بار ہے۔ ایسے شخص پر یہ الزام عاید کرنا کہ اس نے بیت المال سے اپنے رشتے داروں کو عطیات عطا کیے کس قدر لغو ہے۔

حضرت عثمان کو اللہ نے دولت سے حصہ وافر دیا، مگر وہ زر پرست نہیں تھے۔ وہ خود دار ضرور تھے مگر خود غرض نہیں تھے۔ ان کی میزانِ مروّت نے ان کے درِ دولت کو ہر کسی کے لیے کھول رکھا تھا۔ اپنے اور بیگانے سبھی مستفید ہوئے۔ وہ خرچ کرنے کے عادی تھے۔ وہ صرف اس لیے خرچ نہیں کرتے تھے کہ لوگوں کی مشکلیں دور ہوں اور مفلوکوں کی عسرت کو یسرت سے بدل دیں۔ بلکہ وہ روٹھوں کو منانے اور بگڑوں کو سنوارنے کے لیے بھی خرچ کرتے تھے۔ ان کا کنبہ بہت بڑا تھا۔ ان کے خاندان کے بہت سے افراد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں مارے گئے تھے۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کا ایک بڑا بوجھ تھا جسے انہوں نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ سب کے غم خوار تھے۔ اپنے خانوادے کی کفالت، اپنے اعزہ کی دل جوئی اور اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی وہ شروع سے کرتے چلے آ رہے تھے۔ وہی رَوش زندگی کے آخری بارہ سالوں میں بھی برقرار رہی۔ تو پھر اس پر طعن کیسا؟ صرف اس لیے کہ وہ آخری بارہ سال ان کے عہدِ خلافت کے سال ہیں؟ اور کیا خلیفہ بننے کے بعد انسان اپنے رشتے داروں کے حقوق سے بالاتر ہو جاتا ہے؟ تاریخ میں ہمیں ایسی بھی بکثرت مثالیں ملتی ہیں کہ انہوں نے اپنے ذاتی مال سے حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر معززین انصار کو بھی نوازا۔

ہمیں اپنی نسلوں کو عظمتِ عثمانی سے آگاہ کرنا چاہیے یہ الزامات خود ھَبَاءً مَنثُوراً ہو جائیں گے۔

واقعہ شہادت عثمان کو واقعہ کربلا نہ بنائیے

یہ اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کسی مذموم فرقے کے ذوقِ تفرقہ پرستی کی نذر

نہیں ہوئی۔ ماتم عثمان کوئی مذہبی فریضہ نہیں بنا۔ ان کی شہادت کسی فرقے کی بنیاد نہیں بنی۔ لیکن رافضیت کا ردّعمل جو ناصبیت کے عنوان سے پروان چڑھا، اس نے جب واقعہ شہادت عثمان پر خامہ فرسائی کی تو مدافعت کے نام پر اپنے گمراہ کن نظریات کو تاریخ میں محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ بعض کبار صحابہ کو واقعہ شہادت عثمان میں براہ راست ملوث کرنے اور انہیں ذمہ دار ٹھہرانے کی سعی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو بالعموم ناصبی حضرات حضرت عثمان کی شہادت کا ذمہ دار قرار دیتے ہی ہیں۔ لیکن خورشید احمد فارق نے تو یہ غضب کیا کہ شاذ اور واہی قسم کی روایات کی مدد سے ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو بھی بالواسطہ شہادت عثمان میں ملوث کر دیا۔ (۳)

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی بدترین گمراہی ہے جس کی کسی صورت تائید نہیں کی جاسکتی۔

تاہم بعض نادان قسم کے اہل علم جو پوری دیانت داری سے حضرت عثمان کی مدافعت کا فریضہ انجام دینا چاہتے ہیں۔ ان کا خامہ بھی کبھی کسی مقام پر ناصبی فریب کا دام اسیر بن جاتا ہے۔

حضرت عثمان کے واقعہ شہادت کو رقم کرنے کے لیے مناسب ہے کہ صحیح روایات کو اخذ کیا جائے از خود کسی قسم کی ملمع کاری سے گریز کرتے ہوئے حقیقت نگاری کا فریضہ انجام دیا۔

محمد بن ابی بکر کے سلسلے میں لوگ عدم توازن کا شکار ہوئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ محمد بن ابی بکر سبائی فتنہ پردازوں کے دام فریب میں آ گئے اور حضرت عثمان کے مخالف بھی ہو گئے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ برآمد کر لینا کہ وہ قاتلین عثمان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں کسی طرح درست نہیں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حضرت علی انہیں سمجھاتے ہیں۔ وہ خود شہادت والے دن حضرت عثمان کے گھر جاتے ہیں ان سے سخت کلامی بھی کرتے ہیں لیکن جب حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ آج آپ کے والد زندہ ہوتے تو شرمندہ ہوتے۔ یہ سن کر محمد بن ابی بکر واپس چلے آتے ہیں۔ تاریخ نے گو محفوظ نہیں رکھا لیکن ممکن ہے حضرت عثمان نے اپنی ذات سے متعلق عائد کردہ الزامات کی وضاحتیں بھی پیش کی ہوں جسے سن کر انہوں نے تسلیم کرتے ہوئے واپسی کا رخ اختیار کیا۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کی طرف سے مدافعت کا ارادہ بھی ظاہر کیا ہو لیکن جس طرح حضرت عثمان نے سب کو اپنی مدافعت کے لیے تلوار اٹھانے سے منع کیا، انہیں بھی منع کر دیا۔

بایں ہمہ یہ قیاسات ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ محمد بن ابی بکر، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ربیب تھے۔ حضرت علی کے زیر عاطفت ہی وہ پروان چڑھے۔ انہیں قاتلین عثمان میں شمار کرنا گویا بالواسطہ حضرت علی کو قتلِ عثمان کا ذمہ دار ٹھہرانا ہے۔ جب کہ تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ حضرت علی کے عہدِ خلافت میں محمد بن ابی بکر ان کے معاون تھے اور انہیں کے حکم پر وہ مصر کے عامل بنے۔

اس لیے محمد بن ابی بکر کے لیے بلا وجہ کی قیاس آرائیوں سے گریز کرنا چاہیے۔ کسی بھی صحیح تاریخی روایت سے ثابت نہیں کہ وہ براہِ راست قتلِ عثمان میں شریک تھے۔ وہ سبائی سازشی فتنوں سے متاثر ضرور ہوئے اور جہاں تک متاثر ہونے کا تعلق ہے تو اس عہد کے کئی ایک افراد لاشعوری طور پر ان فتنوں سے متاثر ہوئے۔ اور حد تو یہ ہے کہ آج تک ہو رہے ہیں۔

نواسہ رسول ﷺ سے سیّدنا عثمان کی نسل

رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ بڑی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، حضرت ابو العاص اموی رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں تھیں جن سے ایک صاحبزادے علی اور ایک صاحبزادی امامہ پیدا ہوئیں۔ حضرت علی نے عین عالم شباب میں شہادت پائی اور ان کی نسل جاری نہ ہوسکی۔

رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہ و سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان کے عقد میں آئیں۔ صرف سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے ایک صاحبزادے عبد اللہ الاکبر پیدا ہوئے۔ مگر وہ بھی بچپن ہی میں وفات پا گئے اور نسل کا اجراء نہ ہوسکا۔

رسول اللہ ﷺ کی چوتھی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کے حرم میں آئیں اور ان سے دو صاحبزادے حسن وحسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے جن سے نسل جاری ہوئی۔ گویا اولادِ رسول کا سلسلہ صرف حضرت حسن وحسین ہی سے جاری ہوسکا۔

عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص اولادِ رسول سے نسبت اور "سیّد" بننے کا شوق جنون کی حد تک پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں انساب کی تبدیلی اور جعلی انساب تیار کر لینا معمولی بات ہے۔ وا حسرتا! لوگوں کے یہ تو ممکن نہ ہوسکا کہ وہ سچے غلام رسول بنتے اس لیے انہوں نے جھوٹا آل رسول بننا آسان جانا۔

یہ آل رسول ﷺ کا شرف پانے کی کشش تھی یا پھر حضرت علی سے رشک وحسد کی ایک شکل، کہ حضرت عبد اللہ بن رقیہ زوجہ عثمان بن عفان سے بھی اجرائے سلسلہ نسل کا دعویٰ کیا گیا۔

ابو الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (م ۳۴۶ھ) پہلے مؤرخ ہیں جنہوں نے لکھا:-

"وكان له من الولد: عبد الله الاكبر و عبد الله الاصغر، أمهما رقية بنت رسول الله ﷺ،-------- وكان عبد الله الاكبر يلقب بالمطرف لجماله و حسنه، وكان كثير التزوج، كثير الطلاق، -------- وبلغ عبد الله الاصغر من السن ستاً و سبعين عاماً، فنقره ديک فی عينه، فكان ذلک سبب موته۔"(۴)

"اور ان کے لڑکے عبد اللہ اکبر اور عبد اللہ اصغر تھے۔ ان دونوں کی ماں رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ ------- عبد اللہ اکبر کا لقب اپنے حسن و جمال کی وجہ سے المطرف تھا۔ وہ کثرت سے شادیاں اور کثرت سے طلاق دیتے تھے۔------- عبد اللہ اصغر ۷۶ سال کی عمر کو پہنچے تھے کہ مرغ نے ان کی آنکھ پر ٹھونگ ماردی جوان کی موت کا سبب بنا۔"

لیکن مسعودی کا یہ دعویٰ بالاتفاق غلط ہے۔ وہ

واحد مؤرخ ہیں جنہوں نے ایسا دعویٰ کیا۔ مستزاد یہ کہ وہ عبد اللہ اصغر کو بھی سیدہ رقیہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ ان سے قبل کے مؤرخین بھی اس کی تائید نہیں کرتے۔

فن انساب پر لکھی گئی ابتدائی کتاب "نسب قریش" کے مصنف مصعب بن عبد اللہ بن مصعب بن ثابت بن عبد اللہ بن الزبیر، اَبوعبد اللہ الزبیری (م ۲۳۶ھ) جو خود قریشی النسل ہیں۔ فرماتے ہیں:-

"فولد عثمان بن عفان: عبد الله الأكبر، توفي وهو ابن ست سينين، ودخل رسول الله ﷺ قبره، وأمه رقية بنت النبي ﷺ، وعبد الله الأصغر، أمه فاخته بنت غزوان۔"(۵)

"عثمان بن عفان کے لڑکے عبد اللہ اکبر نے چھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ ان کی قبر میں اترے۔ ان کی ماں رقیہ بنت نبی ﷺ تھیں۔ اور عبد اللہ الاصغر کی ماں فاختہ بنت غزوان تھیں۔"

ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی (م ۲۴۵ھ) نے "المحبر" میں لکھا ہے:-

"و (رقية) تزوجها عتبة بن أبي لهب فأمرته أم جميل بنت حرب بن أمية بفراقها ففارقها. فخلف عليها عثمان بن عفان رحمه الله فولدت له عبد الله، وبه كان يكنى، درج صغيراً."(۶)

"رقیہ کی شادی عتبہ بن ابی لہب سے ہوئی تھی۔ عتبہ کو (اس کی ماں) ام جمیل بنت حرب بن امیہ نے رقیہ سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ جب عتبہ نے انہیں چھوڑا تو عثمان بن عفان رحمہ اللہ نے ان سے شادی کی۔ ان سے عبد اللہ پیدا ہوئے۔ جن کے نام پر حضرت عثمان کی کنیت ہے۔ یہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔"

احمد بن یحییٰ بن جابر بن داود البلاَذُری (م ۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:-

"وولد لعثمان بْن عَفَّان رَضِيَ اللَّه تَعَالَى عَنْهُ: عَبْد الله الأصغر، أمّه فاختة بنت غزوان أخت عتبة بْن غزوان، وعبد اللَّه الأكبر، أمه رقية بنت النَّبِي ﷺ نقر عينه ديك فمات۔"(۷)

"عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لڑکے عبد اللہ الاصغر کی ماں فاختہ بنت غزوان، عتبہ بن غزوان کی بہن تھیں۔ اور عبد اللہ الاکبر کی ماں رقیہ بنت نبی ﷺ تھیں۔ ان کی آنکھ پر مرغ نے ٹھونگ مار دی تھی جس سے ان کی وفات ہوئی۔"

ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:-

"أن عُثْمَان بن عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يكنى فِي الْجَاهِلِيَّة أبا عَمْرو، فلما كَانَ فِي الإِسْلام ولد لَهُ من رقيه بنت رسول الله ص غلام فسماه عَبْد اللَّهِ، واكتنى بِهِ، فكناه الْمُسْلِمُونَ أبا عَبْد اللَّهِ، فبلغ عَبْد اللَّهِ ست سنين، فنقره ديك عَلَى عينه، فمرض فمات فِي جمادى الأولى سنة أربع من الهجره، فصلى عليه رسول الله ﷺ۔"(۸)

"عثمان بن عفان کی کنیت جاہلیت میں ابو عمرو تھی۔ عہدِ اسلام میں رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ سے ان کا لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ تھا۔ اسی کے نام پر ان کی کنیت تھی۔ مسلمانوں نے انہیں ابوعبد اللہ کہا۔ عبد اللہ جب چھ برس کے ہوئے تو ان کی آنکھ پر مرغ نے ٹھونگ مار دی۔ جمادی الاول ۴ھ میں اس مرض سے ان کی وفات ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز پڑھی۔"

امام ابومحمد علی بن حزم ظاہری (م ۴۵۶ھ) اپنی مشہور کتاب "جمہرۃ الانساب العرب" میں لکھتے ہیں:-

"فولد عثمان بن عفان: عبد الله الأكبر: أمه رقية بنت رسول الله ﷺ مات صغيرا، وله ستّ سنين۔"(۹)

"عثمان بن عفان کے لڑکے عبد اللہ الاکبر کی ماں رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ وہ بچپن میں وفات پا گئے جب کہ ان کی عمر چھ برس تھی۔"

مسعودی کے سوا تقریباً تمام مؤرخین اس امر پر یک زبان ہیں کہ عبد اللہ بن رقیہ نے بچپن میں وفات پائی۔(۱۰)

ابومحمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ھ) کو گویہ التباس ہو گیا کہ عبد اللہ الاکبر کی والدہ فاختہ بنت غزوان تھیں اور عبد اللہ اصغر، سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے فرزند تھے۔(۱۱)

لیکن انہیں بھی تسلیم ہے:-

"وتزوجها عثمان بن عفان مكة، وماتت بها بعد مقدمه المدينة بسنة وعشرة أشهر وعشرين يوما۔ وولدت لعثمان: عبد الله، وهلك صبيا لم يجاوز ست سنين، وكان نقره ديك على عينه، فمرض ومات."(۱۲)

"حضرت رقیہ کی شادی عثمان بن عفان سے مکہ میں ہوئی۔ انہوں نے مدینہ میں ہجرت کے ایک سال، دس ماہ اور بیس دن بعد وفات پائی۔ ان کے بطن سے حضرت عثمان کے صاحبزادے عبد اللہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے بچپن میں چھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کی آنکھ میں مرغ نے ٹھونگ مار دی تھی جس سے وہ بیمار ہو گئے اور اس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔"

ایسے میں تنہا مسعودی کی روایت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟

ماضی قریب میں مسعودی کے اس بیان کو غیر معمولی اہمیت دینے کی کوشش کی گئی۔ ایسے انساب بھی پیش کر دیئے گئے جن سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ نواسہ رسول عبد اللہ سے سیدنا عثمان کی نسل جاری ہوئی۔(۱۳)

عبد اللہ نام کے حضرت عثمان کے کئی احفاد تھے۔ عبد اللہ اکبر جنہیں المطرف بھی کہا جاتا تھا وہ حضرت عثمان کے صاحبزادے عمرو کے بیٹے تھے۔(۱۴)

انہیں عمرو بن عثمان کے ایک بیٹے عبد اللہ اصغر بھی تھے۔(۱۵)

عبد اللہ الاکبر المطرف کے بیٹے محمد الاصغر تھے جنہیں "الدیباج" کہا جاتا تھا۔ یہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب کے بطن سے تھے۔ انہیں کے بارے میں ابن قتیبہ اور بلاذری نے لکھا ہے:-

"وكان كثير التّزوج، كثير الطّلاق۔"(۱۶)

"بہت زیادہ شادیاں کرتے اور بہت طلاق

دیتے تھے۔"

ان کی ایک اہلیہ فرماتی تھیں:-

"إنما مثله مثل الدّنيا لا يدوم نعيمها، ولا تؤمن فجائعها۔"(۱۷)

"ان کی مثال دنیا کی ہے جس کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور جس کی مصیبتوں سے محفوظ نہیں رہا جا سکتا۔"

مسعودی کی عبارت میں جو جو مغالطے تھے ان کی بخوبی وضاحت تاریخ کی دوسری کتابوں سے ہو جاتی ہے۔

مسعودی کے سوا قدیم مؤرخین میں کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا، اور خود مسعودی کی تردید ان سے قبل کے مؤرخین کی تحریروں سے ہو جاتی ہے۔ جن میں سب سے اہم مصعب بن عبداللہ الزبیری القرشی ہیں۔

اور سب سے بڑھ کر خود مسعودی بھی اپنے بیان میں متزلزل ہیں۔ اپنی ایک کتاب "التنبیہ والاشراف" میں لکھتے ہیں:-

"عبد الله الأكبر توفي وله من العمر ست سنين أمه رقية بنت رسول الله ﷺ۔"(۱۸)

"عبداللہ الاکبر کی وفات چھ برس کی عمر میں ہوئی ان کی والدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔"

مسعودی کے اس اعتراف کے بعد ان دعاوی کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے جو اس ضمن میں کیے جاتے ہیں؟

عثمانیوں میں جو بھی عبداللہ بن عثمان کی نسل سے ہونے کا دعویدار ہے وہ اصلاً عبداللہ الاصغر بن عثمان یا حضرت عثمان کے کسی عبداللہ نامی حفید کی نسل سے ہے، نہ کہ عبداللہ بن رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی نسل سے۔ کیونکہ عبد اللہ بن رقیہ کا بچپن میں وفات پانا معتبر ذرائع تحقیق سے ثابت ہے۔

حضرت عثمان کی رفعت و عظمت ان کے ذاتی کردار کی بدولت ہے۔ نواسہ رسول حضرت عبد اللہ سے ان کے نسل نہ جاری ہونے سے خود حضرت عثمان کی سیرت کے عظیم نقوش دھندلا نہیں سکتے۔ مدافعت کی ایسی شکل اور محبت کا ایسا اظہار علم و تحقیق کی دنیا میں قطعاً پذیرائی حاصل نہیں کرسکتا۔

حاصل کلام

حضرت عثمان غنی کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ، حتیٰ کہ ان کی شہادت سے بھی بڑا سانحہ یہ ہے کہ خود مسلمان اہلِ علم و تحقیق کا ایک گروہ ان کے مقدس کردار پر کیچڑ اچھالتا اور ان سبائی الزامات کو درست سمجھتا ہے جو محض الزامات تھے۔ جن کی تردید کے لیے سیرت عثمان کا ہر ہر ورق عظمت و عزیمت کی مثالوں سے معمور ہے۔

حواشی

(۱) صدیق اکبر و عثمان ذوالنورین، ص ۲۳-۲۵

(۲) حضرت عثمان کے سرکاری خطوط، ص ۳۹-۴۰

(۳) حضرت عثمان کے سرکاری خطوط، ص ۵۹، ۶۳، ۶۴، ۶۶۔ انتہائی حیرت ہوتی ہے کہ تاریخ سے واقف ایک قابل محقق کس طرح تعصب میں اندھا ہو کر واہی روایتوں سے استدلال کر کے صحابہ کے مقدس کردار پر ایسی غلاظت پھینکنے کی کوشش کرتا ہے جو انتہائی مذموم ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کردار و عمل کا ایسا نقشہ کھینچا گویا وہ سب حریصانِ دنیا تھے اور کاروبارِ خلافت کے حصول کے لیے ہر حد تک جا سکتے تھے۔ اس طرح قرآنی رحماء بینهم کی مکمل نفی کر دی گئی۔ رافضیت اور ناصبیت کی شکلیں تو معروف اور مشتہر ہیں لیکن یہ کونسی شکل ہے جس کی زد سے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بچتے ہیں اور نہ ہی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما ہی کو امان ملتی ہے۔

(۴) مروج الذهب و معدن الجوهر: ۲/۲۶۱، المكتبة العصرية بيروت ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۵ء

(۵) نسب قريش: ۱/۱۰۴، تحقيق: ليفي برو فنسال، الناشر: دار المعارف، القاهرة

(۶) المحبر: ۵۳، تحقيق: إيلزة ليختن شتيتر، الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت

(۷) جمل من أنساب الأشراف: ۵/۶۰۰، تحقيق: سهيل زكار و رياض الزركلي، الناشر: دار الفكر بيروت ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء

(۸) تاريخ الرسل و الملوك: ۴/۴۱۹-۴۲۰، الناشر: دار التراث بيروت، ۱۳۸۷ھ

(۹) جمهرة أنساب العرب: ۸۳، الناشر: دار الكتب العلمية بيروت، ۱۹۸۳ء-۱۴۰۳ھ

(۱۰) مثلاً: *تلقيح فهوم أهل الأثر في عيون التاريخ والسير: ۳۱، للامام أبي الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي (م ۵۹۷ھ)، الناشر: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم بيروت، ۱۹۹۷ء ☆ الكامل في التاريخ: ۲/۶۳، عز الدين ابو الحسن علي بن محمد بن محمد بن عبد الكريم ابن الاثير الجزري (م ۶۳۰ھ)، تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، الناشر: دار الكتاب العربي بيروت، ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۷ء ☆ الجوهرة في نسب النبي وأصحابه العشرة: ۲/۱۷۰، للعلامة محمد بن أبي بكر بن عبد الله بن موسى الأنصاري التِلمساني المعروف بالبُرّي (م بعد ۶۴۵ھ)، الناشر: دار الرفاعي للنشر والطباعة والتوزيع الرياض، ۱۹۸۳ء-۱۴۰۳ھ ☆ تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام: ۲/۲۵۱، للامام شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (م ۷۴۸ھ)، تحقيق: عمر عبد السلام التدمري، ناشر: دار الكتاب العربي بيروت، ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳ء

(۱۱) المعارف: ۱۹۸، تحقيق: ثروت عكاشة، الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب القاهرة، ۱۹۹۲ء

(۱۲) المعارف: ۱۴۲

(۱۳) مثال کے طور پر: "سادات بنی رقیہ"، از حکیم فیض عالم صدیقی۔ "آخری نبی کی دو شریک حیات سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدہ عائشہ صدیقہ": ۳۱-۳۲، از علامہ تمنا عمادی۔

(۱۴) المعارف: ۱۹۹، انساب الاشراف: ۵/۶۰۲، تاریخ الاسلام للذہبی: ۵/۱۹۸

(۱۵) المعارف: ۱۹۹، انساب الاشراف: ۵/۶۰۲

(۱۶) المعارف: ۱۹۹، انساب الاشراف: ۵/۶۰۶

(۱۷) المعارف: ۱۹۹، انساب الاشراف: ۵/۶۰۶

(۱۸) التنبيه والإشراف: ۲۵۵، تحقيق: عبد الله إسماعيل الصاوي، الناشر: دار الصاوي القاهرة

ڈاکٹر لیث محمد لال محمد عمری مکی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور موجودہ دور کے دانشور

خلفاء راشدین کے دور کی تاریخ دروس و عبر سے پُر ہے، یہ مصادر و مراجع میں منتشر ہیں، ہمیں ان کے جمع و ترتیب، توثیق و تحلیل کی اشد ضرورت ہے، خلافتِ راشدہ کی تاریخ کو اگر اچھی طرح پیش کیا جائے تو یہ روحانی غذا بھی ہوگی اور نفوس کو مہذب اور دلوں کو منور کرنے کا ذریعہ بھی، عقلوں کو استحکام اور ہمتوں کو پختگی عطا کرے گی، خلافت کے نقوش، قائدین کے اوصاف، نظام حکم، اسلامی نسلوں کے عروج وزوال کے اسباب واضح کرے گی، اس سے ہم مسلمانوں کو منہاجِ نبوت اور فقہ خلافت راشدہ سے آگاہ کر سکتے ہیں، اور ان نفوس کی زندگیوں کا تعارف حاصل کر سکتے ہیں جن کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے:-

وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَداً ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبۃ:۱۰۰)

ان کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:-

"من كان مستنا فليستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة أولئك أصحاب محمد ﷺ كانوا والله أفضل هذا الأمة وأبرها قلوباً وأعمقها علماً وأقلها تكلفاً قوم اختارهم الله لصحبة نبيه واقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم فی آثارهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم ودينهم فانهم كانوا علىٰ الهدىٰ المستقيم۔" (۱)

"جس کو اقتدا کرنی ہو وہ گزرے ہوئے لوگوں کی اقتدا کرے کیوں کہ زندہ فتنہ سے مامون نہیں وہ محمد ﷺ کے اصحاب ہیں، اللہ کی قسم وہ اس امت کے سب سے افضل لوگ تھے، ان کے دل سب سے نیک، ان کا علم سب سے گہرا، سب سے کم تکلف کرنے والے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی صحبت کے لیے چن لیا تھا، لہٰذا تم ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو، اور جس قدر ہو سکے ان کے دین و اخلاق کو مضبوطی سے اپناؤ وہ لوگ سیدھی راہ پر تھے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلامی احکام کو نافذ کیا، مشرق و مغرب میں اسلام کی نشر و اشاعت کی، ان کا دور سب سے بہترین دور تھا، انہوں نے ہی امت کو قرآن کی تعلیم دی، احادیث نبویہ کی روایت کی، ان کی تاریخ وہ خزانہ ہے جس میں فکر و ثقافت، علم و جہاد، فتوحات کی تحریک، اقوام و ملل کے ساتھ تعامل سے متعلق امت کا سرمایہ محفوظ ہے، رشد و ہدایت اور صحیح زندگی گزارنے کے لیے آنے والی نسلوں کے واسطے یہ تاریخ معاون ثابت ہوگی۔

اعدائے اسلام اس کوشش میں لگے ہیں کہ اسلامی تاریخ کو بگاڑ دیں تاکہ ائندہ نسلوں کو اسلام اور اس کے عقائد و احکام، اخلاقی اقدار اور علمی میراث سے دور کر دیں۔

ماضی میں روافض اور موجودہ دور میں مستشرقین اور استشراق زدہ دانشوروں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ان باطل روایتوں کو عام کریں جو صحابہ کرام کی تنقیص کرتی ہوں، خلافتِ راشدہ کی عظیم تاریخ کو مطعون قرار دیتی ہوں، اور اس کی ایسی تصویر پیش کرتی ہوں، جس میں قیادت و حکومت اور بالادستی کی جنگ جاری ہو، اس لیے ضروری ہے کہ ہم مذکورہ لوگوں سے ہوشیار رہیں، اور اپنی لازوال تاریخ کا پُر زور دفاع کریں اور خود ساختہ دانشوروں کے قلعوں پر حقائق ناصعہ، دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ذریعہ حملہ کر کے انہیں تہس نہس کر دیں۔

مذکورہ باتوں کے پیشِ نظر یہ مختصر تحریر سپرد قلم کی جا رہی ہے۔

نام و نسب

عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ (۲)

آپ کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی ہیں (۳) اور آپ کی نانی ام حکیم البیضاء بنت عبد المطلب ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے والد عبد اللہ کی سگی بہن تھیں۔ اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن کے لڑکے تھے اور رسول اللہ ﷺ آپ کی والدہ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ آپ کی والدہ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور آپ کے دورِ خلافت میں وفات پائیں۔ اور آپ ہی انہیں قبرستان لے گئے۔ (۴)

کنیت

دورِ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابو عمرو تھی لیکن جب آپ کی زوجیت میں رقیہ بنت رسول آئیں اور ان کے بطن سے عبد اللہ پیدا ہوئے تو اس وقت سے آپ نے ابو عبد اللہ کی کنیت اختیار کی۔ اور مسلمانوں نے اسی کنیت سے آپ کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ (۵)

لقب

عثمان رضی اللہ عنہ کو ذو النورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، علامہ بدر الدین عینی بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں: مہلب بن صفرہ سے پوچھا گیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ذو النورین کیوں کہا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی زوجیت میں نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ (۶)

ولادت

آپ صحیح قول کے مطابق مکہ میں عام الفیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ (۷) آپ رسول اللہ ﷺ سے تقریباً چھ سال چھوٹے تھے۔ (۸)

پیدائشی اوصاف

آپ کا قد درمیانہ تھا نہ پستہ قد تھے اور نہ ہی بہت لمبے، چمڑا باریک تھا، داڑھی گھنی اور لمبی تھی، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، کندھوں کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا، سر میں گھنے بال تھے، داڑھی میں زرد خضاب لگاتے، امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : آپ حسین بال والے اور خوبصورت تھے، سر کے سامنے والے بال گر گئے تھے، ناک اونچی تھی، پنڈلیاں ضخیم تھیں، بازو لمبے تھے، بال گھنگھریالے تھے، دانت انتہائی خوبصورت تھے، آپ کی زلفیں کانوں سے لٹکتی تھیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا رنگ گندمی تھا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ گورے چٹے تھے۔ (۹)

ویسے مذکورہ باتوں کے علاوہ آپ کی سیرت کی متفق علیہ جزئیات بے شمار ہیں۔ مثلاً احادیث نبویہ میں آپ کے فضائل، خلافت، منہج حکومت، اجتہادات، فتوحات، ایک مصحف پر امت کو جمع کرنے کا عظیم کارنامہ آپ کے اہم شخصی اوصاف، مثلاً کتاب وسنت سے والہانہ شغف، حلم و بردباری، رواداری و عالی ظرفی، نرمی وعفو ودرگذر، تواضع، حیا وعفت، جود و سخا، شجاعت و بہادری، دور اندیشی، صبر، عدل، عبادت، خوف الٰہی ومحاسبہ نفس، زہد وشکر اور لوگوں کی خبرگیری وغیرہ وغیرہ۔

لیکن مقالے کے موضوع کا تقاضا ہے کہ ان جزئیات سے صرف نظر کرتے ہوئے ان جزئیات سے بحث کی جائے جن سے متعلق ماضی میں گمراہ فرقے اور دورِ حاضر میں خود ساختہ دانشوروں نے خوب خوب گل کھلائے ہیں اور آپ کی سیرت کو داغدار کرنے کی مذموم کوششیں کی ہیں۔

(۱) عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی حقیقت:

مورخین اکثر یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے قرابت داروں کے ساتھ بے حد محبت کرتے جس سے امور سلطنت میں ان کا عمل دخل بڑھ گیا تھا، جو بعد میں لوگوں کی ناراضگی کا سبب بنا، اور لوگ آپ کے خلاف ہوگئے۔

آپ کے وہ اقرباء جن کو آپ نے گورنری کے منصب پر فائز کیا وہ یہ تھے: (۱) معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ (۲) عبداللہ بن سعد بن ابوسرح رضی اللہ عنہ (۳) ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ (۴) سعید بن العاص رضی اللہ عنہ (۵) عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔ یہ کل پانچ افراد ہیں جن کو اپنے اقرباء میں سے عثمان رضی اللہ عنہ نے اس منصب پر فائز کیا، لوگوں کے گمان میں یہ آپ رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع کا سبب ہے، لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم جائزہ لیں کہ آپ کے گورنروں کی تعداد کیا تھی اور ان میں ان پانچوں کی نسبت کیا ہے؟

اگر شمار کیا جائے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کی کل تعداد چھبیس (۲۶) تک پہنچتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس تعداد میں بنوامیہ کے پانچ افراد گورنری کے منصب کے مستحق نہیں ہوسکتے؟ جبکہ رسول اللہ ﷺ بنوامیہ کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مناصب عطا فرماتے تھے اور پھر یہ پانچ گورنر ایک وقت میں نہیں تھے، بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو گورنر بنایا، پھر انہیں معزول کر کے ان کی جگہ سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا۔ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت بنوامیہ سے صرف تین افراد گورنر تھے، معاویہ بن ابوسفیان، عبداللہ بن سعد بن ابوسرح اور عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہم۔ رسول اللہ ﷺ اپنی حیات طیبہ میں بنوامیہ کے افراد کو گورنر مقرر فرماتے تھے، اور آپ کے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جنہیں بنوامیہ کے ساتھ قرابت داری میں متہم نہیں کیا جا سکتا، بنوامیہ کے لوگوں کو حکومتی مناصب پر فائز کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے اکثر گورنر بنو عبد شمس بنوامیہ ہی میں سے تھے دوسرا کوئی قبیلہ ان کے مقابلہ میں نہ تھا، کیونکہ وہ تعداد میں بھی دوسروں سے زیادہ اور قیادت وسیادت اور شرف ومنزلت کے بھی حامل تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسید بن ابوالعاص اموی رضی اللہ عنہ کو مکہ کا، ابوسفیان بن حرب اموی رضی اللہ عنہ کو نجران کا، خالد بن سعید اموی رضی اللہ عنہ کو بنومذحج کی زکوٰۃ کا، اور ابان بن سعید اموی رضی اللہ عنہ کو بعض معرکوں کا، اور پھر بحرین کا گورنر مقرر فرمایا۔ لہٰذا عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لوگوں کو گورنر مقرر کیا جو خود آپ کے گورنروں میں سے تھے، یا ان کے قبائل سے تھے۔

اور اسی طرح آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان اموری رضی اللہ عنہما کو شام کا گورنر مقرر کیا، اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے عہدے پر باقی رکھا، اور ان کے بعد ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو ان کی جگہ پر مقرر فرمایا۔ (۱۰)

یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان گورنروں نے جنہیں عثمان رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا اپنی اہلیت ثابت کی یا نہیں؟ اس سلسلے میں بہت ساری شہادتیں ہیں، اختصار کے مدنظر درج ذیل ایک ہی شہادت پر اکتفا کررہا ہوں۔

سیدنا عثمان خلیفہ راشد ہیں جن کی اقتداء لازم ہے، آپ کے افعال واعمال اس امت کے دستوری دستاویز ہیں جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بعد والوں کے لیے قرابت داروں کو قریب کرنے سے احتراز کا دستور جاری کیا، اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اہلیت کی صورت میں قرابت داروں کو قریب رکھنے کا دستور جاری کیا۔ جو بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کرے گا وہ ان لوگوں کی انتظامی ادارتی اہلیت میں ادنیٰ شک نہیں کرسکتا، اور جن امور میں عثمان رضی اللہ عنہ پر تنقید کی گئی ہے وہ امور مباحات کے دائرے سے خارج نہیں ہیں۔ (۱۱)

(۲) کیا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مصالح کو نظر انداز کر کے اقرباء پروری کے مرتکب تھے:

اگر عثمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے مصالح کو نظر انداز کر کے اقرباء پروری کے مرتکب ہوتے تو اپنے پروردہ محمد بن ابو حذیفہ کے ساتھ بھی اقرباء پروری کا

ثبوت دیتے ،لیکن آپ نے ان کے مطالبہ کے باوجود ان کو گورنر مقرر نہیں کیا، کیونکہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: میرے بیٹے! اگر تم اس قابل ہوتے تو ضرور میں تمہیں یہ منصب عطا کرتا، لیکن تم اس قابل نہیں ہو۔ (۱۲)

(۳) نوجوانوں کو مناصب عطا کرنا:

نوجوانوں کو مناصب عطا کرنے کے سلسلہ میں آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ تھا، آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دنوں میں روم پر چڑھائی کے لیے جو لشکر تشکیل دیا اس کا سپہ سالار اعظم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔ (۱۳)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو روانہ کرنے کا عزم کیا تو آپ کے سامنے عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ یہ بات رکھی گئی کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی جگہ کسی تجربہ کار کو سپہ سالار بنا دیا جائے تو آپ غضبناک ہو گئے اور عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عمر جس کو رسول اللہ ﷺ نے سپہ سالار مقرر فرمایا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اسے اس منصب سے معزول کر دوں؟ (۱۴)

اور یہی جواب عثمان رضی اللہ عنہ نے اس طرح کے اعتراضات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے دیا تھا، میں نے باصلاحیت عاقل و بالغ اور پسندیدہ لوگوں کو عامل و گورنر مقرر کیا ہے۔ ان کے ماتحتوں سے ان کے بارے میں دریافت کر لیں، مجھ سے پہلے ان سے کم عمر والوں کو یہ مناصب دیئے گئے ہیں آج مجھ پر اعتراض کیا جا رہا ہے۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے متعلق کہی گئی تھی، کیا ایسا نہیں؟ لوگوں نے کہا: ہاں، بات ایسی ہی ہے، لوگ بلا سوچے سمجھے عیب جوئی کرتے ہیں۔ (۱۵)

سابقہ باتوں کا خلاصہ اور دانشوروں کا کردار:

عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر حضرات دشمنان اسلام سے جہاد کرتے رہے اور اسلامی سلطنت کی توسیع اور جدید علاقوں میں اس کے اثر و رسوخ کو بڑھانے میں اپنا کردار ادا کرتے رہے اس کے باوجود ان پر الزام لگایا گیا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے میں براہ راست ملوث تھے، اور لوگوں پر مظالم ڈھاتے رہے، لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں پاتے جس سے یہ من گھڑت الزام پایہ ثبوت کو پہنچے۔ اسی طرح عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ نے اپنے اقرباء کو مناصب عطا کیے، جب کہ مذکورہ باتوں کی روشنی میں یہ حقیقت ہمارے سامنے آشکارا ہو چکی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے امت کی خیر خواہی اور باصلاحیت اور اہلیت کے حاملین کی تقرری میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن افسوس کہ اس کے باوجود وہ اور ان کے گورنر پر اتہامات کو اچھالا ہے، اور ایسا حکم لگایا ہے جس کا تحقیق سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کی اکثریت نے ضعیف اور رافضی روایات پر اعتماد کر کے خلیفہ راشد عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق ظالم و باطل فیصلے کیے ہیں۔ مثلاً طٰہٰ حسین اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں قاضی عبد الرحیم اپنی کتاب "النظام الاداری العربی" میں، صبحی صالحی اپنی کتاب "النظم الاسلامیہ" میں، مولوی حسین اپنی کتاب "الادارۃ العربیہ" میں، صبحی محمصانی اپنی کتاب "تراث الخلفاء الراشدین فی الفقہ و القضاء" میں، توفیق الیوزبکی اپنی کتاب "دراسات فی النظم العربیہ و الاسلامیہ" میں، محمد الحلیم اپنی کتاب "ذو البحرین فی القرآن" میں، بدوی عبد اللطیف اپنی کتاب "الاحزاب السیاسیۃ فی فجر الاسلام" میں، انور الرفاعی اپنی کتاب "النظم الاسلامیہ" میں، محمد الریس ریلی کتاب "النظریات السیاسیۃ" میں، علی حسنی الخبر وطلی اپنی کتاب "الاسلام و الخلافۃ" میں، ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں اور سید قطب نے اپنی کتاب "العدالۃ الاجتماعیۃ" میں۔

یقیناً عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم خلیفہ ہیں آپ پر آپ کے قدیم دشمنوں نے افترا پردازی کی اور متاخرین نے بھی انصاف سے کام نہ لیا۔ (۱۶)

(۴) ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین تعلقات کی حقیقت:

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے معاندین ان پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا تھا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے متعلق جو کہا گیا ہے اور جس کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے سب باطل ہے اس کی بنیاد کسی صحیح روایت پر نہیں ہے۔ (۱۷)

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے متعلق صحیح ترین بات وہ ہے کہ جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں زید بن وہب سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ربذہ سے میرا گذر ہوا میں نے وہاں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو پایا میں نے ان سے دریافت کیا آپ اس مقام پر کیوں اقامت پذیر ہیں؟ فرمایا میں شام میں تھا میرے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس آیت سے متعلق اختلافات رونما ہوئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبۃ: ۳۴)

معاویہ نے کہا: یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے، میں نے کہا: ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں میرے اور ان کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں، اور انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی، عثمان رضی اللہ عنہ نے بذریعہ خط مجھے مدینہ آنے کا حکم دیا، لہٰذا میں مدینہ آ گیا، میں مدینہ پہنچا تو لوگوں نے مجھے اس طرح گھیر لیا جیسے انہوں نے اس سے قبل مجھے دیکھا نہیں تھا۔ میں نے یہ صورت حال عثمان رضی اللہ عنہ سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا: اگر تم چاہو تو مدینہ سے کسی قریبی علاقہ میں اقامت پذیر ہو جاؤ لہٰذا میں نے اس حکم کو اختیار کیا، اگر مجھ پر کسی حبشی کو بھی مقرر کر دیا جائے تو میں اس کی سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔ (۱۸)

رہیں وہ تمام روایتیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا تھا، تو وہ سب ضعیف

ہیں علت قادحہ سے خالی نہیں ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ان کے متن میں بھی نکارت ہے، اور ان صحیح اور حسن روایات کی مخالف ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے خود ربذہ میں اقامت پذیر ہونے کی اجازت طلب کی تھی اور ان کی اس طلب پر عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دے دی تھی۔(۱۹)

بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ان کو شام سے بلا کر کہا تھا: آپ کو ہم نے شام سے اس لیے بلایا ہے کہ آپ مدینہ میں ہمارے ساتھ رہیں، آپ کو روزینہ ملتا رہے گا۔(۲۰) غور کریں کیا جلا وطن کرنے والا ایسی بات کہے گا۔

اس امت کے سلف صالحین کو اس حقیقت کا اچھی طرح پتہ تھا اسی لیے جب حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ کیا عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا، تو فرمایا: معاذ اللہ (اللہ کی پناہ)!(۲۱)

فتنہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں صحابہ کرام کا مؤقف اور اس سے متعلق دانشوروں کا کردار:

اکثر سلف اور علماء امت سے یہی منقول ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات کی تفاصیل میں بحث وکرید سے توقف کیا جائے اور اس کو اللہ کے حوالہ چھوڑ کر ان کے لیے اللہ کی رضا کی دعا کی جائے یہ اعتقاد رکھا جائے کہ یہ سب مجتہد تھے، ان شاء اللہ اجر کے مستحق ہوں گے۔ صحابہ کرام پر طعن وتشنیع اور زبان درازی سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اس سے شریعت پر طعن لازم آتا ہے اس وجہ سے کہ وہی اس شریعت کے حاملین ہیں اور انہیں کے واسطے سے یہ دین ہم تک پہنچا ہے۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ سے اہل صفین سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس خون سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو پاک رکھا ہے تو میں اپنی زبان کو اس سے ملوث کرنا پسند نہیں کرتا۔(۲۲)

اور بعض اسلاف سے اس سلسلہ میں دریافت کیا گیا تو جواب میں یہ آیت پیش کر دی:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرۃ: ۱۳۴)

بحث وکرید کی مخالفت کی ایک وجہ ہے اور وہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کا خوف، تاکہ اس سے اللہ کا غضب حاصل نہ ہو اور جب یہ سبب زائل ہو جائے تو پھر بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات سے متعلق ایسی تحقیق جس سے ان پر مطلقاً طعن وتشنیع لازم نہ آئے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ ان کے اسباب ودوافع تفصیلات ونتائج اور صحابہ کرام کے بعد کے معاشرہ پر اس کے اثرات سے متعلق ایسی بحث وتحقیق کی جا سکتی چنانچہ ابن کثیر اور طبری وغیرہ نے اسلامی تاریخ کے اس نازک دور سے متعلق بہت کچھ تحریر کیا ہے اور اس فتنہ سے متعلق بہت سے امور اور قضایا کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ جب کہ ان میں سے کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے طرفین یا طرفین میں سے کسی کو مورد الزام ٹھہرایا ہے اور ان روایات اور نصوص پر اعتماد کیا ہے جن میں صحیح وغلط سب گڈمڈ ہیں۔(۲۳)

ایسے احباب آج بھی پائے جاتے ہیں جو اہل سنت کے علماء وطلبہ کی اس فتنہ کو گہرائیوں میں غوطہ زنی اور اس کی تفصیلات میں بحث وتحقیق کی دعوت دیتے ہیں۔ منجملہ اس بات کے دور حاضر کی وہ تالیفات ہیں جو صحابہ کے درمیان فتنہ کے واقعات پر مشتمل ہیں اس طرح کی کتابیں تین طرح کی ہیں۔

(الف) ایسی کتابیں جن کے مصنفین کو اسلامی تاریخ سے بغض وعناد ہے، مغربی افکار کے سایہ میں وہ پلے بڑھے ہیں یا وہ اسلامی تاریخ سے جاہل ہیں، ان لوگوں نے اسلامی تاریخ میں کوئی اچھی چیز نہیں دیکھی۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان طعن وتشنیع دراز کیا، ان کے اختلافات کو جاہ ومنصب اور کرسی کے حصول کے لیے سیاسی جنگ قرار دیا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان وتقویٰ اور صدق مع اللہ سے عاری، دنیا کے طالب اور لیڈری کے شوقین نظر آتے ہیں۔ ریاست وقیادت کی خاطر اس کی پرواہ نہیں کہ لوگوں کے خون بہیں، جانیں ضائع ہوں، سر بازار عزتیں نیلام ہوں اور حرمتیں پامال ہوں، ایسے لوگوں میں سر فہرست طہٰ حسین ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ میں یہی کچھ کیا ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب مسلم نوجوانوں کی عقلوں کے لیے اسم بامسمیٰ عظیم فتنہ ہے، طہٰ حسین نے اس کتاب کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان طعن وتشنیع دراز کی ہے، ان کی نیتوں سے متعلق شکوک پیدا کیے ہیں، اور اعدائے اسلام کی خدمت کی خاطر ان پر ناپاک تہمتیں لگائی ہیں۔(۲۴)

طہٰ حسین کے منہج سے بہت سارے لوگ متاثر ہوئے بظاہر ان لوگوں نے ان تاریخی روایات پر کلی اعتماد کر لیا جنہیں طبری وابن عساکر جیسے مورخین نے جمع کر دیا ہے، ان میں جھوٹ غلط وصحیح سب گڈمڈ ہیں، انہوں نے ان مورخین کے منہج یعنی چھان پھٹک کے لیے تمام طرح کی روایتوں کو جمع کرنا خیال کیے بغیر ان سے روایتیں نقل کر کے انہیں پر اعتماد کر لیا جو کہ بہت بڑی غلطی ہے۔(۲۵)

(ب) بعض معاصر علماء امت کی کتابیں جن میں ان حضرات نے واقعات کو پیش کرنے اور بعض صحابہ وتابعین کے مواقف کی تفسیر کرنے میں بہت زیادہ ناانصافی سے کام لیا ہے۔ مثلاً ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی کتاب خلافت وملوکیت، محمد ابوزہرہ رحمہ اللہ کی کتاب تاریخ الامم الاسلامیہ اور الامام زید بن علی۔ یہ کتابیں بعض صحابہ پر رکیک حملے اور بنوامیہ پر طعن وتشنیع سے بھری ہیں۔ انہیں فضائل حمیدہ واعمال صالحہ سے عاری قرار دیا ہے۔(۲۶)

معلوم ہوتا ہے کہ ان علماء نے تاریخی روایات کی تحقیق سے کام نہیں لیا ہے اور رافضی روایات کو اختیار کر لیا ہے انہیں پر تحقیق وتجزیہ کی بنیاد رکھی ہے اللہ انہیں اور ہمیں معاف فرمائے۔

(ج) وہ کتابیں جن کے مولفین نے تاریخی روایات کی چھان پھٹک میں علماء جرح وتعدیل کا منہج اختیار کیا ہے اور صحیح وضعیف میں تمیز کے لیے سند ومتن کے سلسلہ میں انہیں محدثین کے اصولوں پر جانچا ہے یہ

کتابیں قابل قدر اور بہترین کوشش ہیں اس طرح ان کتابوں سے باطل کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، ان کے ذریعہ تاریخی واقعات کی صحیح تفسیر سامنے آ سکتی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان وفضل اور جہاد سے متعارض نہیں ہے۔(۲۷)

ان بہترین کتابوں میں ڈاکٹر یوسف کی تاریخ الدولۃ الامویۃ، ابوبکر ابن العربی کی کتاب العواصم من القواصم پر محب الدین الخطیب کی تعلیقات، صادق عرجون کی عثمان بن عفان، ڈاکٹر سلیمان بن محمد العودہ کی عبداللہ بن سبا واثرہ فی احداث الفتنۃ فی صدر الاسلام، محمد مخزون کی تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ، ڈاکٹر محمد حسن تراب کی المدینۃ فجر الاسلام و العصر الراشدی وغیرہ جو مذکورہ منہج پر تیار کی گئی ہیں۔ اس بیان سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایسی کتابوں کا پایا جانا ضروری ہے جن سے باطل خیالات اور غلطیوں کی تردید کی جا سکے۔ اسلامی تاریخ اور مقام صحابہ کو ملیا میٹ کرنے والوں کی تردید اسی وقت ممکن ہے جب ان تاریخی واقعات، اخبار اور روایات کی جرح وتعدیل اور تصحیح وتضعیف کے میزان پر پرکھ کر ان کی چھان پھٹک کی جائے اور ان کا تفصیلی جائزہ لیا جائے۔(۲۸)

الحمد للہ محدثین کرام کی کتابوں نے صحیح روایات کو محفوظ رکھا ہے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عثمان رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے والے آپ کی نصرت وتائید اور آپ کی طرف سے دفاع کرنے والے تھے اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی برأت کا اظہار کرتے تھے، اور حادثہ قتل کے بعد قصاص کے مطالبہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اس سے یہ بات بعید از قیاس قرار پاتی ہے کہ انہوں نے فتنہ کو ہوا دینے اور اس کو بھڑکانے میں کسی طرح کا کردار ادا نہیں کیا ہے۔(۲۹)

تمام صحابہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہیں جو بھی اس کے برخلاف کہتا ہے اس کی بات باطل ہے، اس پر وہ کوئی ایسی دلیل نہیں پیش کر سکتا جو صحت کے درجے کو پہنچ رہی ہے اسی لیے خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں عبدالاعلی بن الہیثم سے روایت کیا ہے کہ جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے کہا: کیا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں مہاجرین وانصار میں سے کوئی تھا؟ تو حسن بصری نے فرمایا نہیں، یہ تو مصر کے اجڈ لوگ تھے اور امام نووی فرماتے ہیں: عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہ تھا آپ کو قتل کرنے والے رذیل نچلے طبقے کے ناکارہ بے وقوف اور فسادی لوگ تھے جو مصر سے جتھا بنا کر اس مقصد سے آئے تھے، مدینہ میں موجود صحابہ کرام دفاع سے عاجز رہے اور ان لوگوں نے محاصرہ کر کے قتل کر دیا۔(۳۰)

اس طرح صحیح روایات اور تاریخی واقعات اس بات پر غماز ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے اور آپ کے خلاف فتنہ میں شریک ہونے سے بالکل بری تھے۔(۳۱)

یہ ہے صحیح صورت حال لیکن موجودہ دور کے بعض خود ساختہ دانشور حضرات مذکورہ رافضی روایات سے متاثر ہو کر انہیں لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاتے دکھائی دیتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سازش کا اتہام لگاتے ہیں۔ اور یہ باور کرتے ہیں کہ انہوں نے ہی لوگوں کو بھڑکایا اور فتنہ کو ہوا دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے آمین۔

حواشی وتعلیقات

(۱) شرح السنۃ للبغوی: ۱/۲۱۴-۲۱۵، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۳۹۱ھ

(۲) الطبقات الابن سعد: ۳/۵۳ طبع بیروت

(۳) التجید والبیان لمحمد یحیی الاندلسی ص ۱۹، دار الثقافۃ الدوحۃ ۱۴۰۵ھ

(۴) الخلافۃ الراشدۃ والدولۃ الامویۃ، للدکتور یحیی الیحیی، ص ۳۸۸، دار الہجرۃ ۱۴۱۷ھ

(۵) التحمید والبیان ص ۱۹

(۶) عمدۃ القاری: ۱۶/۲۰۱، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۹۲ھ

(۷) الاصابۃ، لابن حجر: ۴/۳۷۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۵ھ

(۸) عثمان بن عفان لصادق عرجون ص ۴۵، الدار السعودیہ ۱۴۱۰ھ

(۹) صفوۃ الصفوۃ: ۱/۲۹۵ لابن جوزی، دار المعرفۃ بیروت

(۱۰) منہاج السنۃ لابن تیمیۃ: ۳/۱۷۵-۱۷۶، تحقیق محمد رشاد سالم، مؤسسۃ قرطبۃ

(۱۱) الاساس فی السنۃ لسعید حوی: ۴/۱۶۷۵، دار السلام ۱۴۰۹ھ

(۱۲) تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ للدکتور محمد مخزون: ۱/۲۴۷، دار طیبۃ، الریاض ۱۴۱۵ھ

(۱۳) تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ: ۱/۲۴۷

(۱۴) تاریخ الطبری: ۵/۴۶، دار الفکر بیروت ۱۴۰۷ھ

(۱۵) تاریخ الطبری: ۵/۳۵۵

(۱۶) الولایۃ علی البلدان: ۱/۲۲۲-۲۲۳، للدکتور عبد العزیز ابراہیم العمری ۱۴۰۹ھ

(۱۷) المدینۃ المنورۃ فجر الاسلام: ۲/۲۱۷، محمد محمد شراب، دار القلم، دمشق ۱۴۱۵ھ

(۱۸) صحیح البخاری، الزکاۃ، باب ما ادی زکاتہ (۱۴۰۶)

(۱۹) فتنۃ مقتل عثمان: ۱/۱۱۰، للدکتور محمد عبد اللہ الغبان، مکتبۃ العبیکان، الریاض ۱۴۱۹ھ

(۲۰) الطبقات لابن سعد: ۴/۲۲۶-۲۲۷

(۲۱) تاریخ المدینۃ (۱۰۳۷) اسنادہ صحیح، لابی زید عمر بن شیبہ النمیری، المدینۃ ۱۳۹۳ھ

(۲۲) حلیۃ الاولیاء: ۹/۱۴۴، لابی نعیم الاصفہانی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(۲۳) أحداث و أحادیث فتنۃ الھرج للدکتور عبد العزیز الدخان ص ۷۹

(۲۴) مصدر مذکور ص ۸۰

(۲۵) مصدر مذکور: ۸۱

(۲۶) مصدر مذکور: ۸۱

(۲۷) مصدر مذکور: ۸۱

(۲۸) مصدر مذکور: ۸۳

(۲۹) تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ: ۲/۱۴-۱۸

(۳۰) شہید الدار عثمان بن عفان: ۱۴۸، لاحمد الخروف، دار البیارق ۱۴۱۸ھ

(۳۱) تحقیق مواقف الصحابۃ فی الفتنۃ: ۲/۱۸

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی

بیعت رضوان اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صلح حدیبیہ

مہاجرین کو مکہ سے آئے ہوئے کوئی چھ سال ہو گئے تھے۔ بعض مہاجرین کے اہل وعیال ہنوز مکے ہی میں تھے۔ اس کے علاوہ اکثر مسلمانوں کے دل میں زیارت بیت اللہ کا شوق بھی چٹکیاں لے رہا تھا۔ گو مہاجرین مکے سے مستقل ہجرت کر کے مدینے میں آ گئے تھے۔ لیکن وطن کی یاد اتنی جلدی دل سے محو نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنا گھر بار، املاک، کھیتی، دوکان اور اہل کفر قرابت داروں کو چھوڑا تھا اور وطنیت کے بت کو توڑا تھا، کعبے سے تو منہ نہیں موڑا تھا۔ بلکہ اس مرکز دین سے دور ہونے کا تو شدید صدمہ تھا اور وہ اس قبلہ عبادت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے تھے جس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے تھے اور جس کی زیارت اسلام کا چوتھا رکن ہے۔

اسی دوران میں حضور ﷺ نے خواب دیکھا کہ صحابہ کے ساتھ حضور ﷺ مناسک حج ادا فرما رہے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر آئندہ سال ظہور میں آنے والی تھی۔ تاہم زیارت بیت اللہ کا شوق حضور ﷺ پر اور تمام صحابہ پر اس درجے غالب ہوا کہ سب کے سب سفر مکہ کے لیے رخت سفر باندھ کر تیار ہو گئے اور روانگی عمل میں آ گئی۔

یہ چودہ سو مہاجرین و انصار تھے جو عمرہ ادا کرنے کے شوق میں کشاں کشاں چلے جا رہے تھے۔ یکم ذی القعدہ ۶ھ کو روانگی ہوئی۔ مدینے سے چھ میل ذو الحلیفہ کے مقام پر حضور ﷺ نے اور تمام رفقاء نے عمرے کا احرام باندھا۔ مدینے کی طرف سے آنے والے حجاج کا میقات یہی ذو الحلیفہ ہے۔ احرام کے معنی ہیں حرام کر لینا۔ چونکہ احرام باندھتے ہی قتال وجدال، یا وہ گوئی وغیرہ حرام ہو جاتی ہے اس لیے اسے احرام کہتے ہیں۔ احرام ایک بے سلہ کپڑا ہوتا ہے جسے جسم پر لپیٹ لیا جاتا ہے۔ یہ علامت ہے احرام کی تاکہ دور سے دیکھ کر سمجھ لیا جائے کہ یہ اپنے اوپر قتال وجدال وغیرہ کو حرام کر چکے ہیں۔ یہاں قربانی کے جانوروں کی گردن میں قلاوے بھی ڈال دیئے گئے تاکہ مزید اطمینان ہو جائے کہ ان آنے والوں میں کوئی جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا۔ صرف زیارت کعبہ اور ادائے عمرہ کی نیت ہے۔ اس سفر میں دستور عرب کے مطابق مسلمانوں کے پاس تلواریں بھی تھیں لیکن وہ سب نیام میں تھیں۔ یہ بھی ایک اعلان تھا کہ مسلمانوں کی حیثیت صرف زائرین کی ہے۔ مسلمان جا بجا پڑاؤ کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ اس کی خبر اہل مکہ ہو گئی۔ انہیں یہ تو یقین تھا کہ اہل اسلام چڑھائی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے صرف عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ مسلمان ادائے عمرہ کی نیت سے مکے میں داخل ہوں۔ اس لیے انہوں نے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ خالد بن ولید (جو ہنوز اسلام نہ لائے تھے) ایک دستہ فوج لے کر کراع الغمیم روانہ ہو گئے۔ حضور ﷺ ابھی مقام عسفان میں تھے کہ خالد کے آنے کی خبر ملی۔ خالد کے دستے کو پیس کر رکھ دینا ان چودہ سو مہاجرین و انصار کے لیے دشوار نہ تھا۔ لیکن حضور ﷺ چونکہ صرف عمرے کا ارادہ رکھتے تھے اور ماہِ حرام (ذی قعدہ) کی حرمت بھی قائم رکھنا چاہتے تھے اس لیے دستہ خالد کا سامنا کرنا بھی گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے داہنی طرف کترا کر ایک دوسرا کٹھن راستہ اختیار فرمایا۔ خالد نے دور سے مسلمانوں اور سواریوں کی اڑتی ہوئی گرد دیکھی اور اہل اسلام کی قوت وشوکت کا اندازہ کر لیا۔ فوراً واپس ہوئے اور اہل مکہ کو خبر دی کہ مسلمان غمیم کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ مقام مکے سے نو میل پر ہے۔ حضور ﷺ کی اونٹنی (قصویٰ نامی) مقام حدیبیہ میں رکی۔ حضور ﷺ اور تمام صحابہ وہیں اتر پڑے۔ حدیبیہ دراصل ایک کنویں کا نام ہے جو مکے سے آٹھ نو میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کچھ آبادی بھی تھی اور یہ پورا علاقہ حدیبیہ ہی کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں چودہ سو صحابہ کے لیے ایک کنواں کیا کفایت کر سکتا تھا؟ پہلی ہی مرتبہ میں کنواں خالی ہو گیا اور پانی کی قلت محسوس ہوئی۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو دعا فرمائی جس کے بعد پھر پانی کی کوئی کمی نہیں ہوئی۔

حدیبیہ میں قافلہ زائرین کے پہنچنے کی خبر جب بنو خزاعہ کو ملی تو ان کے سردار بُدیل بن ورقاء چند آدمیوں کو لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اسلام نہیں لائے تھے لیکن مسلمانوں کے حلیف تھے اس لیے ان کی ہمدردیاں اہل اسلام کے ساتھ تھیں اور مسلمانوں کے یہ رازدار بھی تھے۔ بدیل نے آ کر حضور ﷺ کو خبر دی کہ اہل مکہ نے بڑی تعداد میں جنگجو جوانوں کو جمع کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ وہ ہرگز مسلمانوں کو مکے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ حضور ﷺ نے بدیل ہی کی معرفت قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ "ہم لوگ لڑنے نہیں آئے ہیں۔ صرف عمرہ ادا کر کے واپس چلے جائیں گے۔ متعدد جنگوں نے تمہیں یوں بھی کمزور کر دیا ہے (اس

لیے ارادہ جنگ ترک کردو اور) ایک مدت معینہ کے لیے معاہدہ صلح کرلو۔ (اگرلڑو گے تو) اللہ کی قسم جب تک میرے شانوں پر سر موجود ہے میں بھی اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ نہ فرما دے۔"

بدیل نے مکے پہنچ کر جب قریش کو حضور ﷺ کا یہ پیغام سنان چاہا تو چند جوشیلے ناعاقبت اندیش بول اٹھے کہ "ہمیں محمد (ﷺ) کا کوئی پیغام سننے کی ضرورت ہی نہیں۔" مگر سنجیدہ طبقے نے سکون سے یہ پیغام سنا اور کہا کہ "یہ تو ہم جانتے ہیں کہ مسلمان عمرہ ادا کرنے آئے ہیں۔ لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ لیکن اگر وہ زائرین کی حیثیت سے بھی مکے میں داخل ہوئے تو سارا عرب ہمیں یہی طعنہ دے گا کہ مسلمان فاتحانہ و غالبانہ مکے میں داخل ہو گئے۔ اور ہم یہ طعنہ نہیں سن سکتے۔"

بدیل یہ جواب لے کر واپس ہو گئے اور اہل مکہ نے حالات کا صحیح جائزہ لینے کے لیے جلیس بن علقمہ کو حدیبیہ بھیجا۔ جلیس نے واپس آ کر اسی قسم کی گفتگو کی جو بدیل نے کی تھی۔ مگر قریش کو پھر بھی اطمینان نہ ہوا۔ بنو ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ "اگر تم کہو تو میں خود جا کر محمد (ﷺ) سے گفتگو کروں۔ انہوں نے جو باتیں پیش کی ہیں وہ معقول ہیں۔" قریش نے عروہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ حضور ﷺ نے عروہ سے بھی وہی باتیں فرمائیں جو بدیل کی وساطت سے قریش کو کہلوائی تھیں۔ عروہ نے حضور ﷺ کی باتیں سن کر کہا کہ "اے محمد (ﷺ) ! اگر تم قریش کو فنا کرو گے تو گویا اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی قوم کو برباد کرو گے۔ اور اگر کہیں جنگ نے پانسہ پلٹا تو تمہارے یہ رفقا گرد کی طرح اڑ جائیں گے۔" عروہ کا یہ جملہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تاؤ آ گیا۔ فرمایا" او بدبخت ! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟" عروہ نے کہا" اے ابوبکر! میری گردن پر تمہارا ایک احسان ہے جس کا بدلہ میں نے ابھی تک نہیں اتارا ہے۔ اس لیے میں خاموش ہو جاتا ہوں ورنہ تمہاری سخت کلامی کا مزہ چکھا دیتا۔"

عروہ حضور ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بار بار حضور ﷺ کی ریش مبارک تک لے جاتا۔ حضور ﷺ کے پاس مغیرہ بن شیبہ کھڑے تھے۔ عروہ کی یہ حرکت انہیں سخت ناگوار گزری۔ کڑک کر بولے: "عروہ! اگر اب تیرا ہاتھ حضور ﷺ کی ریش مبارک تک آیا تو تیرا ہاتھ پھر واپس نہ جائے گا۔" عروہ نے کہا: " احسان فراموش میرے احسان کو بھول گئے ؟" (ایک موقع پر چند مقتولین کا خوں بہا مغیرہ کی طرف سے عروہ نے ادا کیا تھا) ۔ یہ عربی فطرت دورِ جاہلیت میں بھی تھی کہ دوسرے کے احسان کو فراموش کرتے تھے نہ اپنے احسان کو بھلاتے تھے۔ عروہ نے ایک ہی موقع پر دونوں جذبے کا اظہار کر دیا۔

عروہ کی گفتگو ناتمام سی رہی۔ وہ مکے میں آ گئے اور قریش سے کہا:-

"اے ابنائے قریش ! میں نے نجاشی کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر و کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ لیکن عقیدت و احترام اور پروانگی و ادب کا جو منظر اس وقت دیکھ کر آ رہا ہوں وہ کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ محمد (ﷺ) جب گفتگو کرتے ہیں تو سارے مجمعے پر سکوت طاری ہو جاتا ہے اور سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص محمد (ﷺ) کے چہرے کو نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہیں دیا جاتا۔ سارا مجمع اسے اپنے چہرے اور سینے پر ملنے کے لیے ٹوٹ پڑتا ہے۔ محمد (ﷺ) کا تو لعاب دہن بھی زمین پر گرنے سے پہلے عقیدت مند اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں (۱)۔ محمد (ﷺ) کے اصحاب میدان چھوڑ کر بھاگنے والے نہیں۔ اب تم جو مناسب سمجھو وہ کرو۔"

عروہ کی گفتگو سے قریش پر سناٹا چھا گیا اور ان کی قوت فیصلہ درہم برہم ہو گئی۔ کوئی فیصلہ کر چکنے سے پہلے ہی حضور ﷺ نے ایک دوسرے خزاعی خراش بن امیہ کو اپنی سواری کا اونٹ دے کر مکے روانہ فرمایا۔ خراش ابھی اپنی بات بھی پوری نہ کرنے پائے تھے کہ ظالموں نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ سردار احابیش جلیس بن علقمہ نے انہیں پناہ دی اور خراش کی جان بچی مگر ان ظالموں نے ان کے اونٹ کو ہلاک کر دیا۔

اس واقعے کے بعد قریش کے اسّی جوشیلے نوجوانوں کا ایک دستہ مسلمانوں سے جنگ چھیڑنے کے لیے کوہِ تنعیم سے اتر کر حدیبیہ کی وادی میں پہنچ گیا۔ لیکن حملے کے آغاز ہی میں مسلمانوں کے محافظ دستے نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ ان کا یہ اقدام فوجی نقطہ نگاہ سے قابل معافی نہ تھا لیکن کچھ تو قرب حرم کا احترام تھا اور کچھ ماہِ حرام کا پاس اور سب سے بڑھ کر رحمت کے تقاضے تھے اور صلح پسندی کا سچا جذبہ۔ اس لیے رحمۃ اللعالمین نے ان سب کو معافی دے کر رہا کر دیا۔ قرآن نے ماہِ حرام میں حملہ آوروں کے جواب میں قتال کی اجازت دی ہے۔ **وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ** (البقرۃ: ۱۹۱) لیکن رسول اللہ ﷺ قتال کے موقعے نہیں تلاش فرماتے تھے بلکہ قتال کو روکنے اور صلح کو قائم کرنے کے بہانے ڈھونڈتے تھے۔ صحابہ میں قریشی نوجوانوں کی اس جسارت سے یقیناً جوش انتقام پیدا ہوا ہو گا لیکن جو رسول آیا ہی انسانی اقدار کے قیام کے لیے ہو وہ کیونکر گوارا کر سکتا تھا کہ جذبہ انتقام -- اگر چہ جائز اور جوابی ہو -- بلدِ حرام اور شہرِ حرام کی حرمت کو مجروح کرے! اگر ان حملہ آوروں کو قتل کر دیا جاتا تو یہ اس کے مستحق تھے لیکن اہل مکہ کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ ان مسلمانوں نے زائرین کا روپ تو دھار لیا ہے لیکن دراصل یہ قتال ہی کی نیت سے آئے ہیں اور بظاہر ہمیں معاہدہ صلح کا پیغام بھجوا رہے ہیں۔ بہر حال اس موقعے پر حضور ﷺ نے ان مجرموں کو معافی دے کر دینی و اخلاقی قدروں کی محافظت کا انتہائی بلند مظاہرہ فرمایا۔

سیّدنا عمر کا عذر مقبول

حضور ﷺ نے اتمام حجت اور مصالحت کی کوششِ مزید کے لیے حضرت عمر سے فرمایا کہ قریش کے پاس اب تم جا کر بات کرو۔ حضرت عمر نے عرض

کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے قریش کو انتہائی بغض وعناد ہے کیونکہ میں نے دینی معاملات میں ان کے ساتھ کبھی مداہنت ونرمی نہیں برتی ہے۔ علاوہ ازیں میری قوم (بنی عدی) کا کوئی ایسا آدمی بھی مکے میں موجود نہیں جو مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ میری رائے ہے کہ حضور ﷺ اس نامہ و پیام کا کام عثمان سے لیں کیونکہ وہ بنو امیہ کے ایک معزز رکن ہیں اور بنو امیہ پر ان کا بڑا اثر ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر کی رائے کو پسند فرمایا اور سیدنا عثمان کو مکے بھیج دیا۔

یہاں یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اگر محض جان کی قربانی پیش کرنا مقصود ہوتا تو نہ حضرت عمر کو انکار ہوتا اور نہ کسی دوسرے صحابی کو۔ یہاں محض جان کی قربانی کا پیش کرنا یا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا مقصود ہی نہ تھا۔ مقصد تو تھا ایک کام کو بہتر طریق پر انجام دینا اور نتیجہ خیز طریقہ اختیار کرنا۔ یہاں عشق و محبت یا بہادری و بزدلی کا کوئی امتحان پیش نظر تھا ہی نہیں۔ یہاں صرف عقل وحکمت اور حسن تدبیر سے ایک کام انجام دینا تھا۔ حضرت عمر کی معذرت نہ بر بنائے بزدلی تھی نہ بر بنائے نافرمانی۔

دوسرا ضروری قابل غور نکتہ یہ ہے کہ رسول کی بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا ماننا فرض نہیں ہوتا اور نہ ماننے والا خارج از اسلام نہیں ہو جاتا (۲)۔ نکاح ام المومنین زینب بنت جحش کی تفصیلات سے اس نکتے کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ اور بیت اللہ سیدنا عثمان کی نظر میں

حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق سیدنا عثمان بن عفان مکے تشریف لے گئے اور اپنے ایک قرابت دار ابان بن سعید کے گھر ٹھہرے۔ جب اہل مکہ کو حضور ﷺ کا پیغام مصالحت پہنچایا تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ ہم محمد (ﷺ) اور اصحاب محمد (ﷺ) کو ہرگز مکے میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ ہاں اگر تم خود عمرہ ادا کرنا چاہو تو کرلو۔ سیدنا عثمان نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ اوراقِ تاریخ پر ہمیشہ ابھرے ہوئے حروف میں ہیرے کی طرح چمکتا رہے گا۔ آپ نے فرمایا: یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میں یہاں تنہا عمرہ وطواف کرلوں اور میرا کعبہ حقیقت (ﷺ) بیت اللہ سے دور حدیبیہ میں بیٹھا رہے۔ اللہ اللہ۔ ظاہر بین فقیہ کی نگاہوں میں جناب عثمان طواف کعبہ کے ایک بڑے ثواب سے محروم رہے مگر حقیقت بیں نگاہ میں اس ترک طواف کا ثواب، ثوابِ طواف سے کہیں زیادہ ہے۔

محمد (ﷺ) اور عثمان (رضی اللہ عنہ) کے درمیان روحانی وائرلیس لگا ہوا تھا۔ یہاں حدیبیہ میں بعض لوگ بولے کہ عثمان بڑے خوش قسمت ہیں۔ وہ کم سے کم عمرہ تو ادا کر ہی لیں گے۔ عثمان کے نبض شناس پیغمبر نے فرمایا: "مجھے یقین نہیں کہ عثمان میرے بغیر عمرہ وطواف کرلیں۔" صدق النبی ﷺ۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ عثمان کو حقیقت کعبہ کا کیا علم تھا۔ قوم نے تو اس بیت اللہ کو بیت الاصنام بنا دیا تھا۔ یہ کعبہ حقیقت ہی تھا جس نے حقیقت کعبہ سے دنیا کو روشناس کرایا:-

از جمالِ تو کعبہ شد قبلہ
پیش ازیں ورنہ بود بت خانہ

قتل عثمان کی افواہ اور بیعت رضوان

سیدنا عثمان نے اہلِ مکہ کو پیغام مصالحت دینے کے بعد واپسی کا ارادہ کیا تو روک لیے گئے۔ واپسی میں دیر ہوگئی تو افواہ پھیل گئی کہ عثمان شہید کر دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے یہ خبر سنتے ہی فرمایا: "اگر ایسا ہے تو خون عثمان کا قصاص لینا فرض ہے۔" یہ فرما کر ایک ببول کے درخت کے سائے میں تشریف لے گئے اور آواز دی کہ "بایعوا علی الموت" (سر دھڑ کی بازی لگانے پر بیعت کرو)۔ آوازِ رسول کا سننا تھا کہ تمام صحابہ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ اتنا اہم ہے کہ قرآن پاک نے ان تمام بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی کی دائمی سندیوں عطا فرمائی کہ

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيباً (الفتح:۱۸)

"اللہ ان تمام مسلمانوں سے راضی ہے جنہوں نے اس درخت کے نیچے (اے رسول) تمہاری بیعت کی۔ پھر اس نے ان کے دلوں کی بات (نیت و اخلاص) جان لی اور ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں جلد آنے والی فتح سے سرفراز کیا۔"

صرف اسی قدر نہیں بلکہ اس بیعت (سودے) کو اتنی اہمیت دی کہ

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح:۱۰)

"جو لوگ (اے رسول!) تم سے سودا کر رہے تھے ان کے ہاتھوں میں (تمہارا کیا) خدا کا ہاتھ تھا۔"

خونِ عثمان کی قدر و قیمت اللہ اور رسول کی نگاہ میں

ذرا غور کیجیے۔ دنیا میں کسی کے خون کا قصاص لینے کے لیے بارگاہِ نبوت سے کبھی یہ اہتمام ہوا ہے؟ کس کی جان اتنی پیاری تصور کی گئی ہے جس کے قصاص کے لیے بیعت کرنے والوں کے حق میں اللہ نے اپنی رضا مندی کا غیر فانی پروانہ نازل کیا ہو؟ کس کی شخصیت اتنی اہم ہے جس کی حرمت کی خاطر جان کی بازی لگانے والوں ہی کا نہیں بلکہ اس درخت کا ذکر بھی قرآن نے کیا ہو جس کے سائے میں جاں بازی کا معاہدہ ہوا تھا؟ کس ہستی کا خون اتنا قیمتی سمجھا گیا ہے کہ اس کا قصاص لینے والوں کی بیعت کو محض بیعت رسول ہی نہیں بلکہ عین بیعت خدا سے تعبیر کیا گیا ہو؟ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کو اس کا پورا اندازہ تھا کہ عثمان مکے میں قتل نہیں کیے گئے ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ خون عثمان کا قصاص لینے کے لیے یہ اہتمام کیوں فرمایا گیا؟ اس کی دو وجہیں ہماری سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے جوش وخروش کی اطلاع اہل مکہ کو مل جائے تا کہ اگر وہ جناب عثمان کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس سے باز آجائیں۔ نیز وہ مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ بھی کرلیں اور معاہدہ صلح میں تامل نہ کریں۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ جناب عثمان پر جو مصیبت آنے والی تھی اس کے بارے میں حضور ﷺ یہ بتانا چاہتے تھے کہ اس

نازک وقت میں مسلمان خونِ عثمان کو ایسا ہی قیمتی سمجھ کر محافظت کریں اور ہر فردِ امت ان کا قصاص لینے کے لیے اسی طرح اٹھ کھڑا ہو جس طرح آج حضور ﷺ ہر ایک کو کھڑا کر رہے ہیں۔ مگر آہ خون عثمان بڑی ہی بے دردی سے بہایا گیا۔ امت نے غفلت سے کام لیا۔ جس کے خمیازے میں امت کو پھر کبھی امن و اتفاق دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ آج کون عثمان کے بے دردانہ قتل پر آنسو بہانا ثواب سمجھتا ہے؟ آج کس جگہ ان کی بے گناہی و مظلومی کا ماتم کیا جاتا ہے؟ آج کہاں ان کے قاتلوں اور سازشیوں کو بدترین خلائق سمجھا جاتا ہے؟ سننے والے اپنے اپنے ایمان کا جائزہ لیں۔

مگر خوب ہوا جو حضرت عثمان کے غم کو کوئی مذہبی حیثیت نہ حاصل ہوئی ورنہ ایک اور الگ فرقہ پیدا ہو جاتا جس کا مذہب صرف ماتم عثمان رہ جاتا اور محض چند ایجاد کردہ رسموں پر نجات کا انحصار قرار پا جاتا۔

سیّدنا عثمان زندہ تھے

بیعت رضوان کی ایک عجیب امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ جب تمام صحابہ کی بیعت ہو چکی تو حضور ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اب میں عثمان کی بھی بیعت لیتا ہوں۔ گویا حضور ﷺ نے اشاروں میں بتا دیا کہ عثمان زندہ ہیں۔ کیونکہ بیعت زندوں ہی کی لی گئی تھی اور لی جاتی ہے۔

یہاں یہ نکتہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اللہ نے رسول کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اور آج بیعت رضوان کے وقت رسول اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دے رہا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ رومی نے شاید ٹھیک ایسے موقعے کے لیے کہا ہے:-

چوں قبول حق شود آں مردِ راست
دستِ او درکارہا دستِ خداست

اس شرف کے مستحق تھے بھی سیدنا عثمان ہی۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جس دن میں نے اسلام قبول کرتے ہوئے اپنا سیدھا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیا اس دن سے کبھی میرا وہ ہاتھ میری شرم گاہ سے مس نہیں ہوا۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اشاعت قرآن کا کام اسی مبارک ہاتھ سے لیا گیا۔ یہ "مصحف آسمانی" خود رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں مکمل ہو چکا تھا اور اسی کی نقول کی اشاعت کا کام حضرت عثمان نے کیا۔ جناب عثمان صرف "ناشر قرآن" ہیں۔ "جامع قرآن" قطعاً نہیں۔ بہر حال دست قدرت نے اشاعت قرآن کا کام دست عثمان ہی سے لیا کیونکہ عثمان کا ہاتھ رسول کا ہاتھ، اور رسول کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے۔ دست او درکارہا دست خدا ست۔ حتی کنت یدہ التی یبطش بھا (حدیث قدسی)

حواشی

ممکن ہے اس وقت کچھ ایسے عقیدت مند بھی موجود ہوں جو غسالہ وضو یا تھوک وغیرہ کو اپنے چہرہ و جسم پر بطور تبرک مل لیتے ہوں۔ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے گروؤں کے ساتھ اسی قسم کی ارادت کا اظہار کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ بات مشکل سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ حضور ﷺ جیسا نظافت پسند اسے خوشی سے گوارا کر لے۔ ویسے خود میری بھی عقیدت یہی ہے کہ حضور ﷺ کے غسالہ قدم کے ایک گھونٹ پر کونین کی دولت لٹا دوں۔ لیکن حضور ﷺ بھی اسے پسند فرمائیں گے یا نہیں یہ غور طلب ہے اور یہ بھی غور طلب ہے کہ حضور ﷺ کی پسند کو ترجیح دی جائے یا اپنے جذبہ عقیدت کو۔ ممکن ہے کہ یہ خود عروہ یا بعد کے راویوں کا اضافہ ہو یا بطور محاورہ استعمال ہوا ہو۔ ہماری زبان میں بھی پاؤں دھو دھو کے پینا کمال احترام و قدر دانی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ آخر حضور ﷺ ہر روز وضو فرماتے تھے اور تھوک بھی پھینکتے ہوں گے۔ لیکن قریب ترین صحابہ سے اس نوع کے اظہارِ عقیدت کی پابندی نظروں سے نہیں گزری ہے۔ حد تو یہ ہے کہ بعض صحابہ سے حضور ﷺ کا بول و براز فرو کر لینا بھی مروی ہے۔ ایسی تمام روایتیں ہمارے نزدیک محل نظر ہیں۔

(۲) مراد تشریعی احکام نہیں ہیں، جن پر ایمان لانا لازم اور جن کا انکار کفر ہے۔ جیسے غیر تشریعی معاملات میں حکم نہیں مشاورت، مثلاً نبی ﷺ نے حضرت زید اور زینب (رضی اللہ عنہما) سے کہا کہ وہ علیحدگی اختیار نہ کریں مگر انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی اس سے نبی کی نافرمانی لازم نہیں آتی۔ (ادارہ)

انتقال پُر ملال "اللہ داد نظامی"

دینی و تحریکی حلقوں میں یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ جناب اللہ داد نظامی کا ۱۰ ستمبر ۲۰۱۶ء کو حرکتِ قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال ہو گیا۔ وہ ضلع وہاڑی کے ایک غیر معروف گاؤں جھوک نواز سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ جسمانی اعتبار سے معذور تھے لیکن ذہنی توانائی رکھتے تھے۔ اپنی معذوری کے باوجود اپنی ذات میں ایک تحریک تھے۔ سماجی و فلاحی خدمات میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ "بلال اسلامک سینٹر" کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا۔ جس کے تحت ایک مسجد اور لائبریری قائم کی۔ دینی علوم کی نشر و اشاعت میں حصہ لیتے تھے۔ پاکستان کے مختلف دینی و علمی جرائد کے مدیران سے ان کے روابط تھے۔ "الواقعۃ" کے بھی قاری تھے۔ گاہے گاہے اپنے مشوروں سے بھی نوازتے تھے۔ اپنی معذوری کے باوجود جس طرح علمی، دینی و فلاحی خدمات انجام دیں وہ ایک روشن مثال ہے۔ دعا ہے کہ اللہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین

(محمد تنزیل الصدیقی الحسینی)

مولانا عبد الرحیم اظہر ڈیروی
ڈیرہ غازی خاں

یک نظر بر فتوحات عہدِ عثمانی

اسم و نسب

عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قریشی اموی ہیں۔ ان کا نسب اور رسول اللہ ﷺ کا نسب عبد مناف میں مل جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ تھی اور بعض لوگوں نے ابو عمرو بیان کی ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے ان کی کنیت ابو عمرو تھی، پھر ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہو گئی جن کی والدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ عثمان بن عفان کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس جو عبد اللہ بن عامر کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور اروی کی والدہ بیضاء بنت عبد المطلب تھیں جو رسول کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ ذوالنورین آپ کا لقب تھا۔ (اسد الغابہ از الشیخ مؤرخ عز الدین بن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری)

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ولادت سے متعلق علامہ الشیخ سیّد الشبلنجی المدعو بمؤمن لکھتے ہیں:-

"وُلد عثمان بالطائف بالستة السادسة من عام الفيل-" (کتاب نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار)

یعنی: "عثمان غنی طائف میں عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔"

بنو امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے ہی معزز چلا آ تا تھا۔ جمیع قریش میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا۔ آپ کا خاندان امیہ بن عبد شمس کے نام سے منسوب ہو کر اموی کہلاتا تھا۔

قبولِ اسلام

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بچپن میں ہی پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا جب جوان ہوئے تو تجارت شروع فرما دی اور دیانت وراستی اور معاملہ فہمی کی بنا پر جلد شہرت حاصل ہو گئی اور مال و دولت کی فراوانی کے باعث آپ غنی کے نام سے مشہور ہوئے۔ عثمان غنی کے سیدنا ابوبکرؓ سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب سیدنا ابوبکرؓ اسلام لائے تو انہوں نے اپنے دوست و احباب میں اسلام کا تذکرہ کیا، چنانچہ جن نیک دل و مخلص لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں سیدنا عثمان غنیؓ بھی تھے۔ اس بارے میں علامہ شیخ سید الشبلنجی مذکور لکھتے ہیں:-

"وكان اسلامه علىٰ يد ابى بكرؓ-" (نور الابصار)

یعنی: "انہوں نے سیدنا ابوبکرؓ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔"

سیدنا عثمان غنیؓ کی سیرت و کردار امت مسلمہ کے لیے ایک مثالی اور عظیم تاریخی باب ہے۔ جنہوں نے اپنے گہرے دوست سیدنا ابوبکرؓ کے ذریعے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ یہ آپ کی دیانت داری اور نیک نیتی کا واضح ثبوت ہے کہ آپ نے اپنے خاندانی دباؤ کے قطع نظر اسلام کی حقانیت قبول کر لی۔ آپ کے اموی خاندان کے بڑے بڑے سردار عقبہ بن معیط اور ابو سفیان وغیرہ کی مخالفت کے باوجود دین اسلام پر استقامت اختیار رکھی اور ایمان و علم و حلم اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے انتہائی عظیم ثابت ہوئے۔ آپ کا شمار سابقین اولین، عشرہ مبشرہ اور خلفاء راشدین میں ہوتا ہے۔

دورِ خلافت

سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد مخالفین اسلام نے یہ خیال پیدا کیا کہ ممکن ہے کہ اب اسلامی خلافت و حکومت برقرار نہ رہ سکے۔ اس حوالے سے شہادت فاروق اعظم کے فوراً بعد بعض مفتوحہ علاقے، خاص طور پر ایران کے اکثر علاقوں میں بدنظمی اور بغاوتیں شروع ہونے لگیں۔ لیکن امیر المومنین سیدنا عثمان غنیؓ نے اپنی حکمت و دانائی سے ان پر قابو پا لیا۔ آپؓ سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد مشاورت اور متفقہ رائے سے خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے تھے۔ عظیم مؤرخ ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری لکھتے ہیں سب سے پہلے جس نے سیدنا عثمان غنیؓ سے بیعت کی وہ عبد الرحمٰنؓ ہیں پھر علیؓ بن ابی طالب دوسری روایت عبد اللہ بن سنان الاسدی سے مروی ہے کہ جب عثمان غنیؓ خلیفہ بنائے گئے تو عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ ہم نے سب سے برتر صاحب نصیب سے کوتاہی نہیں کی۔ (طبقات ابن سعد) یہ بھی روایت ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰؓ نے امیر المومنین سیدنا عثمان غنیؓ کی سب سے پہلے بیعت کی اس کے بعد پے در پے لوگ آئے اور بیعت کرنے لگے۔ (حوالہ مذکور)

خلافتِ عثمانی کے آغاز میں عاملین

مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری لکھتے ہیں خلافت عثمانی کے آغاز میں امیر المومنین کے عامل یہ تھے۔

مقام عمل	نام عامل
مکہ معظمہ	نافع بن عبد الحارث الخزاعی
طائف	سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ
صنعاء	یعلیٰ بن امیہ
جند	عبد اللہ بن ربیعہؓ
کوفہ	مغیرہ بن شیبہؓ
بصرہ	ابو موسیٰ اشعریؓ
مصر	عمرو بن العاص
حمص	عمیر بن سعد

شام	معاویہ بن ابی سفیان
بحرین وتوابع	عثمان بن ابی العاص ثقفی
قضائے کوفہ	شریح
قضائے بصرہ	کعب بن سور

(سیرت ذوالنورین بحوالہ ابن اثیر)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں ملکی نظم ونسق اور طریقہ خلافت وحکومت کا ایک مستحکم ومربوط اور مضبوط دستور العمل بنا چکے تھے جس کے باعث امیر المومنین سیدنا عثمان غنی کے لیے معاملہ سہل وآسان اور صاف نظر آرہا تھا۔ انہوں نے خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اعتدال پسندی اور خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تدبر وتفکر اور حکمت عملی کو اپنا شعار بنایا۔ تقریباً ایک سال تک سابقہ نظام میں کوئی تبدیلی مناسب نہیں سمجھی۔ تاہم خلیفہ ثانی کی وصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مغیرہ بن شیبہ کو ہٹا کر ان کی جگہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ علامہ شیخ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی لکھتے ہیں:-

"وفي هذه السنة من خلافته فتحت الري، وكانت فتحت وانتقضت، وفيها أصاب الناس رعاف كثير، فقيل لها: سنة الرعاف، وأصاب عثمان رعاف حتى تخلف عن الحج وأوصى، وفيها فتح من الروم حصون كثيرة، وفيها ولى عثمان الكوفة سعد بن أبي وقاص وعزل المغيرة۔" (تاریخ الخلفاء)

یعنی: جس سال سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو اسی سال ملک رَے فتح ہوا اور اسی سال لوگوں میں نکسیر کا مرض پھیل گیا یہاں تک کہ سیدنا عثمان غنی بھی اس مرض میں مبتلا ہوگئے اور حج کرنے کا ارادہ تھا لیکن اس کے باعث ارادہ ترک کردیا۔ اور مرض کی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے وصیتیں بھی شروع فرمادیں اور اسی مرض کی وجہ سے اس سال کا نام بھی سنۃ الرعاف یعنی نکسیر کا سال رکھا گیا۔ اس سال ملک روم کے اکثر حصے فتح ہوچکے تھے اور سیدنا عثمان غنی نے اسی سال مغیرہ کو کوفہ سے معزول کرکے سیدنا سعد بن ابی وقاص کو ان کی جگہ حاکم وگورنر مقرر کردیا۔

فتوحاتِ عثمانی

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مخالفین اسلام نے یہ سمجھنا شروع کردیا تھا کہ اب مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔ کیونکہ سیدنا فاروقِ اعظم ایک حیرت انگیز مدبر ومفکر اور معاملہ فہم تھے۔ مزید یہ کہ ان کے دور میں جمیع مسلمان رشتہ وحدت میں منسلک تھے۔ انہوں نے وحدت عقیدہ، وحدت جنس وقوم اور وحدت زبان و بیان کے ذریعے تمام اہل اسلام کو مستحکم ومربوط اور متحد بنا دیا تھا۔ اور فاروق اعظم نے خلافت وحکومت کے وہ آئین وقانون وضع کیے جو بعد میں ایک مثالی حکومت کی اساس قرار پائے۔ اس لحاظ سے سیدنا عمر فاروق کو اسلام کے سیاسی نظام کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔

جب سیدنا عثمان غنی خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے تو شر پسند عناصر نے آپ کے خلاف سازشیں اور بغاوتیں شروع کردیں خصوصاً ایران کے اکثر علاقوں میں شدید مخالفت شروع ہوئی، اور خلیفہ ثالث کے بارے میں لوگوں کی عقول واذہان میں یہ خیال پیدا کیا گیا کہ خلافتِ عثمانی فتنہ وفساد کا دور ثابت ہوگا۔ جو مخالفین کا ایک بڑا مغالطہ تھا۔ خلفاء اربعہ میں سب سے زیادہ طویل دورِ خلافت سیدنا عثمان غنی کا دورِ مسعود ہے۔ امیر المومنین سیدنا عثمان غنی کا دورِ خلافت عرصہ تقریباً بارہ سال رہا ان کے دورِ خلافت میں کئی فتوحات ہوئیں اور مجاہدینِ اسلام اپنی جرأت وہمت اور جذبے سے آگے بڑھتے گئے اور فتوحات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔

امیر المومنین سیدنا عثمان غنی اگرچہ حلیم الطبع تھے لیکن ملکی معاملات میں سختی واحتساب اور سنجیدگی کو اپنا شعار بنایا۔ اطراف ملک کے حالات لوگوں سے دریافت کرتے اور ان کے حالات غور وفکر سے سماعت فرماتے، تمام ملک میں اعلانِ عام تھا کہ جس شخص کو کسی عامل وگورنر سے کوئی شکایت ہو تو وہ حج کے موقعہ پر آکر بیان کرے۔

فتح رَے

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ خلافت عثمانی کے سالِ اول میں ملک رَے فتح ہوا اور اسی کو امام سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق "معجم البلدان" کی تلخیص میں لکھتے ہیں: رَے: طہران کے جنوب مشرق میں ایک اہم شہر ہے، جو امام فخر الدین رازی، ابوبکر الرازی اور دیگر متعدد حکماء وعلماء کا مولد تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ علاقہ دریائے جیحون کے ساحل پر بخارا کے سامنے واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ بلاذری نے فتح رَے سے متعلق کچھ طویل لکھا ہے جس کا خلاصہ اور مفہوم اس طرح ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق نے سیدنا عمار بن یاسر کو لکھا جو اس وقت کوفہ کے عامل تھے۔ يأمره أن يبعث عروة بن زيد الخيل الطائي إلى الريّ ودستبى في ثمانية آلاف، ففعل وسار عروة لذلك فجمعت له الديلم وأمدوا أهل الريّ ----۔ یعنی عروہ بن زید طائی کو آٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ رَے کے علاقے بھیجا جائے۔ جب عروہ بمع لشکر وہاں پہنچے تو یلم ان کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے اور اہلِ رَے نے ان کی مدد کی۔ لیکن رب العزت نے اہلِ اسلام کو کامیاب کیا۔ اور اس معرکہ سے دَیلم اور اہل رَے کی قوت بالکل نیست ونابود ہوگئی۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ فرحان بن زیبندی نامی سردار کا ایک مضبوط قلعہ تھا وہ بھی اسلامی لشکر سے ٹکرایا لیکن شکست کھا کر صلح کرلی کہ وہ جزیہ اور خراج ادا کرے گا۔ اور اس سردار ابن زیبندی نے اہل رَے وقوسس کی طرف سے پانچ لاکھ درہم کی رقم اس غرض سے پیش کی کہ ان میں سے نہ کسی کو قتل کیا جائے اور نہ گرفتار کیا جائے۔ اور نہ ہی ان کا کوئی آتش کدہ منہدم کیا جائے۔ سیدنا عمرو نے اس کی درخواست بھی قبول کرلی۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کو معزول کرکے مغیرہ بن شیبہ کو کوفہ کا والی تعینات کردیا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے کثیر بن شہاب حارثی کو

رَے کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔

جب کثیر بن شہاب رَے کے علاقہ پہنچے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کو باغی پایا جب اہل رَے کی حالت بہتر نظر نہ آئی اور اطاعت کے لیے تیار نہ ہوئے تو پھر مجبوراً مقابلہ کرنا پڑا خوب لڑائی ہوئی آخر اہل رَے مقہور و مجبور ہو کر اطاعت پر مائل ہوئے اور جزیہ و خراج کا معاہدہ بھی کر لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ کثیر بن شہاب جو رَے اور قزوین کا والی تھا اور پُر عزم سردار تھا۔ (بلاذری)

اہل رَے نے جب ۲۵ ھ میں بغاوت کا علم دوبارہ بلند کیا اور سیدنا سعد بن ابی وقاص دوسری مرتبہ کوفہ کے والی منتخب ہوئے تو اس نے رَے پر لشکر کشی کی اور وہاں کے باغیوں اور سرکشوں کو مقہور کر کے لے گئے المرام اینکہ اہل رَے ہمیشہ باغی لوگ تھے اور ہر دور میں یہ مفتوح و مقہور رہے کیونکہ وہ اپنے غلط حرکات سے باز نہ رہتے۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق کی شہادت کے بعد اہل رَے نے پھر علم بغاوت بلند کر دیا۔ جو یہ ان کی آخری بغاوت و سرکشی تھی۔ امیر المومنین سیدنا عثمان غنی نے اپنے عامل کوفہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری کو حکم جاری کیا کہ وہ قرظہ بن کعب انصاری جو جلیل القدر اصحاب الرسول میں سے تھے۔ سیدنا عثمان غنی نے ان کا انتخاب اس لیے مناسب سمجھا کہ وہ عہد خلافت فاروقی میں بھی رَے کی ایک لڑائی میں شرکت فرما چکے تھے۔ المختصر اینکہ سیدنا قرظہ نے متعلقہ مقام پر پہنچ کر باغیوں اور سرکشوں کو خوب مارا یہاں تک کہ ان کی بغاوت اور خودسری کا جذبہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اور مکمل طور پر مطیع و فرماں بردار ہو گئے۔ (فتوح البلدان بلاذری، طبری وغیرہ)

فتح اسکندریہ

اسکندریہ مصر کی معروف بندرگاہ کا نام ہے۔ اس علاقہ کو سکندر اعظم نے آباد کیا تھا اور تمام مصر سکندر اعظم کے قبضہ میں تھا جب سکندری حکومت کا نظام کمزور ہوا تو بطالسہ برسر اقتدار آ گئے جو ایک طویل عرصہ تک رہے اس خاندان میں ۱۲ بادشاہ ہوئے اور وہ بطلیموس کے لقب سے معروف ہوئے۔ مذکورہ ۱۲ بادشاہوں کے بعد رومی قابض ہو گئے۔ جو ایک طویل عرصہ تک حکومت کرتے رہے پھر ایک وقت آیا کہ اسکندریہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور رومی محکوم ہو گئے جو رومیوں کو سخت ناگوار ہوا، وہ دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش میں لگے رہے اور اہل اسکندریہ کو بھی بغاوت پر خوب اکساتے رہتے، انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اگر رومیوں سے اسکندریہ ہاتھ سے بالکل نکل گیا تو ان کے استقرار وجود کو خطرہ لازم ہوگا۔ رومیوں کا اشتعال دلانا اور ابھارنا اسکندریہ کے رومی لوگوں کی خواہشات نفس کے عین مطابق ثابت ہوا۔ اس طرح انہوں نے ان کی بغاوت کی دعوت قبول کر لی اور قسطنطین بن ہرقل کو خط بھیجا جس میں اہل اسلام کی قلت تعداد اور اسکندریہ میں رومیوں کی ذلت ورسوائی کا تذکرہ کیا۔ اس وقت سیدنا عثمان غنی مصر سے سیدنا عمرو بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد ابی سرح کو مقرر کر چکے تھے اسی دوران رومیوں کا کمانڈر انچیف منویل نے اسکندریہ کا رخ کیا تاکہ اس کو مسلمانوں سے واپس لے، اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ۳۰۰ کشتیوں میں پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ اسکندریہ پہنچا۔ جب اہل مصر کو خبر ملی کہ رومی فوج اسکندریہ پہنچ چکی ہے تو انہوں نے امیر المومنین سیدنا عثمان غنی کو لکھا اور ان سے مطالبہ کیا کہ عمرو بن العاص کو واپس ان کی جگہ پر بحال کیا جائے تاکہ رومیوں کا مقابلہ کیا جا سکے، کیونکہ انہیں اس کا طویل تجربہ ہے اور رومیوں کے دلوں میں عمرو بن العاص کی ہیبت سمائی ہوئی ہے، اہل مصر کے اس مطالبہ کو قبول کرتے ہوئے سیدنا عثمان غنی نے عمرو بن العاص کو مصر کی امارت پر بحال کر دیا۔

منویل کی فوج نے اسکندریہ میں خوب لوٹ مار مچائی اور اس کو زمین دوز کر کے اس کے ارد گرد بستیوں میں ظلم وستم برپا کر دیا۔ عمرو بن العاص نے انہیں ڈھیل دے دی تاکہ جس قدر فساد کرنا چاہیں کر لیں، اور مصریوں کے سامنے مسلم حکمرانوں اور رومی حکمرانوں کے درمیان فرق بھی سمجھ آ جائے۔ ان کے دلوں میں رومیوں کے لیے غیض وغضب بھر جائے اور رومیوں کے لیے ذرا بھی محبت وشفقت ان کے دلوں میں باقی نہ رہے۔ منویل اسکندریہ سے اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اور زیریں مصر کا رخ کیا۔ عمرو بن العاص نے خاموشی اختیار کی۔ کوئی نقل وحرکت شروع نہ کی اور نہ کسی نے رومیوں کا مقابلہ کیا۔ سیدنا عمرو بن العاص کے بعض ساتھیوں کو اس صورت حال پر تشویش لاحق ہوئی، لیکن عمرو کی رائے کچھ اور تھی، ان کی رائے تھی کہ رومی خود ان کا رخ کریں، کیونکہ بلا شبہ اس دوران میں رومی مصریوں کا مال لوٹیں گے اور ان کے حق میں حماقتوں کا ارتکاب کریں گے۔ جس کی وجہ سے مصریوں کے دلوں میں رومیوں کے خلاف بغض وعناد اور غیظ وغضب جنم لے گا اور ایسی صورت میں جب مسلمان رومیوں کے مقابلے کے لیے اٹھیں گے تو مصری خود رومیوں کے خلاف ان کا تعاون کریں گے، چنانچہ عمرو بن العاص نے اپنی اس سیاست کی تحدید کرتے ہوئے فرمایا! رومیوں کو چھوڑو، ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو، یہاں تک کہ وہ خود میرے پاس آئیں اس طرح وہ خود آپس میں ذلت و خواری اٹھائیں۔ عمرو بن العاص کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ رومیوں نے دل کھول کر لوٹ مار اور فساد مچایا۔ مصری ان کی کارستانیوں سے چیخ اٹھے، اور اس انتظار میں لگ گئے جو انہیں ان مفسدین کے شر سے نجات دلائے۔ منویل نقیوس پہنچا۔ (نقیوس: اسکندریہ وفسطاط کے درمیان ایک بستی ہے) سیدنا عمرو بن العاص اس سے مقابلہ کے لیے تیار ہوئے۔ اور اپنی فوج کو ترتیب دیا اور ان کے ساتھ اس سرکش دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلے اور نقیوس قلعے کے پاس تیل کے ساحل پر دونوں فوجیں صف آراء ہوئیں، طرفین سے اپنی اپنی بہادری کا مظاہرہ کرایا گیا۔ دونوں فریق نے ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ جس سے جنگ کی شدت اور اشتعال میں اضافہ ہوا۔ یہ صورت حال دیکھ کر سیدنا عمرو بن العاص دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور اپنے گھوڑے کو ان کے گھوڑوں کے درمیان گھسا

دیا، اپنی تلوار ان کی تلواروں کے درمیان لہرائی اور لوگوں کے سروں اور سرماؤں کی گردنوں کو کاٹتے چلے گئے ایک وقت آیا جب آپ کے گھوڑے کو تیر لگا اور وہ ڈھیر ہو گیا، اس وقت آپ زمین پر آ گئے اور پیدا صفوں میں شامل ہو گئے۔ آپ کو اس حالت میں دیکھ کر مسلمان جنگ کے لیے شیروں کی طرح ٹوٹ پڑے، تلواروں کی جھنکار ان کو خوف زدہ نہ کر سکیں۔

مسلمانوں کے حملوں کے سامنے رومیوں کے عزائم پست ہو گئے اور ان کی قوتوں نے جواب دے دیا، رومیوں کی شکست دیکھ کر مصری نکل کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کے لیے ان راستوں کو درست کرنے لگے جس کو دشمن نے تباہ و برباد کر دیا تھا، ان پلوں کی تعمیر کرنے لگے جس کو انہوں نے توڑا تھا۔ اس دشمن پر مسلمانوں کی فتح دیکھ کر مصریوں نے اپنی خوشی کا اظہار کیا، جس نے ان کی عزتوں کو لوٹا تھا، ان کے مال و جائیداد کو برباد کیا تھا۔ جب عمرو بن العاص اسکندریہ پہنچے تو اس کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقیں نصب کر لیں اور گولہ باری بھی جاری رہی یہاں تک کہ اسکندریہ کے لوگوں کی ہمت پست ہو گئی۔ اس لڑائی میں منویل مارا گیا اور مسلمان اسکندریہ میں فاتحانہ طریقے سے داخل ہوتے ہوئے شہر کے وسط میں پہنچ گئے۔ سیدنا عمرو بن العاص نے اس وقت جنگ سے رک جانے کا حکم دیا جب کہ مقابلے کے لیے ان کے سامنے کوئی باقی نہ رہا۔ الغرام اینکہ اسکندریہ فتح ہو گیا۔ (سیدنا عثمان بن عفان: شخصیت و کارنامے، تالیف ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی) کتاب مذکور میں یہ بھی مؤلف نے لکھا ہے کہ اسکندریہ سے مشرق و جنوب پر مسلمانوں کا قبضہ تھا جب کہ مغرب کی طرف برقہ، زویلہ اور مغربی طرابلس کو سیدنا عمرو بن العاص نے فتح کر کے جزیہ پر مصالحت کے عوض اس جہت کو مامون بنا لیا تھا۔ البتہ شمال میں رومی پڑتے تھے، لیکن اولاً وہ اس قدر شکست خوردہ ہو چکے تھے کہ دوبارہ اس طرف رخ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ان کا کوئی معین و مددگار یہاں باقی نہ رہا تھا اور مسلم فوجیں نہایت مستعدی اور اہتمام کے ساتھ سمندر کی نگرانی پر لگی ہوئی تھیں۔

فتح افریقہ

مؤرخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی لکھتے ہیں: عبد اللہ بن سعدؓ نے امیر المومنین عثمان غنیؓ سے اجازت طلب کی کہ شمالی افریقہ پر چڑھائی ہونی چاہیے۔ اِس زمانہ میں افریقہ ایک براعظم کا نام ہے مگر اُس زمانہ میں افریقہ نام کی ایک ریاست بھی تھی، جو طرابلس اور طنجہ کے درمیانی علاقہ پر پھیلی ہوئی تھی، لیکن اس زمانہ میں افریقہ ان ملکوں کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا تھا جو آج کل براعظم افریقہ کے شمالی حصہ میں واقع ہیں۔ یعنی طرابلس، الجیریا، تیونس، مراکو وغیرہ۔ امیر المومنین سیدنا عثمان غنیؓ نے عبد اللہ بن سعد کو افریقہ پر فوج کشی کی اجازت دے دی۔ انہوں نے ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مصر سے خروج کر کے علاقہ برقہ میں سرحدی رئیسوں کو مغلوب کیا۔ ان سرداروں اور رئیسوں کو اپنے زمانہ حکومت میں سیدنا عمرو بن العاص بھی چڑھائی کر کے جزیہ کی ادائیگی کے لیے مجبور کر چکے تھے اور بعد میں وہ موقع پا کر خود مختار ہو گئے۔ اس لیے اس بار انہوں نے جزیہ ادا کرنے اور اپنے آپ کو محکوم تسلیم کرنے میں زیادہ چوں چرا نہیں کی۔ اس کے بعد جب عبد اللہ بن سعد ملک کے درمیانی حصے اور طرابلس کی طرف بڑھنے لگے تو سیدنا عثمان غنیؓ نے مدینہ منورہ سے ایک فوج مرتب کر کے ان کی مدد کے لیے روانہ کی۔ اس فوج میں عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عمرو بن العاص، حسین بن علیؓ، ابن جعفرؓ، وغیرہم شامل تھے۔ یہ فوج مصر سے ہوتی ہوئی برقہ میں پہنچی تو وہاں عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح نے استقبال کر کے ان سے ملاقات کی اب سب مل کر طرابلس کی طرف بڑھے۔ رومیوں نے طرابلس سے نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگے۔ مسلمانوں کا طرابلس پر قبضہ ہو گیا۔ قبضہ مکمل ہونے کے بعد خاص ریاست افریقہ کی طرف لشکر اسلام بڑھا۔ افریقہ کا بادشاہ جرجیر نامی قیصر کا ماتحت اور خراج گزار تھا اس کو جب اسلامی لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج جمع کر کے ایک شبانہ روز کی مسافت پر آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل پہنچ گئے تو عبد اللہ بن سعد نے سب سے پہلے عیسائی لشکر کو دعوت اسلام دی جرجیر نے اس دعوت کا صاف انکار کر دیا اور جب جزیہ ادا کرنے کے لیے کہا گیا تو اس کا بھی انکار کر دیا۔ پھر مسلمانوں نے صف آرائی کر کے لڑائی شروع کر دی۔ خوب لڑائی ہوئی اتنے مسلمانوں کی کمک کے لیے ایک تازہ دم فوج پہنچی اور لشکر اسلام سے نعرہ تکبیر بلند ہوا۔ (تاریخ اسلام جلد اوّل)

الغرام اینکہ دوری کے باعث لشکر اسلام کے پہنچنے کی اطلاع مدینہ منورہ میں جلدی نہیں پہنچ سکی تھی۔ سیدنا عثمان غنی تک ابھی کوئی خبر نہیں پہنچ سکی تھی اور دن بھی زیادہ گزر گئے تھے تو انہوں نے عبد الرحمٰن بن زبیر کو بمع فوجی دستہ افریقہ روانہ کیا۔ جب یہ لشکر اپنی منزل کو پہنچا تو مجاہدین اسلام نے دیکھ کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جرجیر نے یہ نعرہ سن کر پوچھا کہ یہ نعرہ تکبیر کیوں بلند ہوا ہے؟ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے فوج کا ایک دستہ پہنچا ہے جس کی وجہ سے یہ نعرہ بلند ہوا۔ یہ سن کر جرجیر بے حد متفکر اور پریشان ہوا۔ پھر اگلے دن جب لڑائی ہوئی تو عبد اللہ بن زبیر نے میدان جہاد میں امیر عبد اللہ بن سعد کو موجود نہیں پایا۔ اور ان کی عدم موجودگی سے متعلق پوچھا، جس کو علامہ ابن اثیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"فَلَمْ يَرَ ابْنَ أَبِي سَرْحٍ مَعَهُمْ، فَسَأَلَ عَنْهُ، فَقِيلَ إِنَّهُ سَمِعَ مُنَادِيَ جُرْجِيرَ يَقُولُ: مَنْ قَتَلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَعْدٍ فَلَهُ مِائَةُ أَلْفِ دِينَارٍ وَأُزَوِّجُهُ ابْنَتِي، وَهُوَ يَخَافُ، فَحَضَرَ عِنْدَهُ وَقَالَ لَهُ: تَأْمُرُ مُنَادِيًا يُنَادِي: مَنْ أَتَانِي بِرَأْسِ جُرْجِيرَ نَفَّلْتُهُ مِائَةَ أَلْفٍ وَزَوَّجْتُهُ ابْنَتَهُ وَاسْتَعْمَلْتُهُ عَلَى بِلَادِهِ. فَفَعَلَ ذَلِكَ. فَصَارَ جُرْجِيرُ يَخَافُ أَشَدَّ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ۔" (الکامل فی التاریخ لابن اثیر)

یعنی: "جب ابن الزبیر کو امیر عبد اللہ بن سعد نظر

نہ آئے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جرجیر نے اعلان عام کرایا کہ جو عبد اللہ بن سعد کو قتل کرے گا اسے ایک لاکھ دینار بطور انعام دیا جائے گا اور جرجیر اپنی بیٹی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دے گا۔ اس لیے امیر عبد اللہ نہیں آئے یہ سن کر عبد اللہ بن زبیرؓ امیر عبد اللہ کے پاس ان کے خیمہ میں پہنچے اور ان سے کہا آپ بھی اپنے مجاہدین اسلام میں اعلان کرا دیں کہ جو بھی جرجیر کا سر کاٹ کر لائے گا اسے مالِ غنیمت سے ایک لاکھ دینار انعام کے طور پر دیا جائے گا۔ اور جرجیر کی بیٹی سے اس مجاہد کا نکاح کر دیا جائے گا اور اسے جرجیر کے ملک کا حاکم بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ عبد اللہ بن سعد نے عبد اللہ بن زبیر کی بات پر عمل کرتے ہوئے اعلان عام کرا دیا اور اسی روز سے جرجیر امیر عبد اللہ سے زیادہ کوف زدہ رہنے لگا اور اپنے لیے شدید خطرہ محسوس کرنے لگا۔"

عبد اللہ بن سعد نے اکابرین جماعت اصحاب الرسول سے مشورہ کر کے اپنے تمام لشکر کو تیار رکھا، گھوڑوں اور دیگر سامان حرب کو تیار کیا تاکہ لڑائی کو حتمی شکل دی جائے۔ آخر کار خوب لڑائی ہوئی، ظہر تک گھمسان کی جنگ جاری رہی، جب اذان ظہر ہوئی تو رومیوں نے اپنے خیموں میں واپس ہونا چاہا لیکن عبد اللہ بن زبیر نے ان کو موقع نہ دیا۔ شدید لڑائی جاری رکھی حتیٰ کہ وہ تھک گئے، پھر دونوں فریق اپنے اپنے خیموں میں واپس ہوئے اور اپنے ہتھیار اتار کر آرام کرنے لگے، عبد اللہ بن زبیر نے ان تازہ مجاہدین کو جن کو خیموں میں رکھا تھا، ساتھ لیا اور اچانک رومیوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کے اندر گھس کر یکدم ہلہ بول دیا۔ ان کو اسلحہ اٹھانے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ اس ہلہ میں جرجیر کو مجاہد اسلام عبد اللہ بن زبیر نے قتل کیا۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی اور کثیر تعداد میں لوگ قتل ہوئے اور جرجیر کی بیٹی کو قید کر لیا گیا۔

امیر عبد اللہ نے شہر کا کنٹرول سنبھال لیا اور مال و متاع بھی قبضہ میں لے لیا۔ شہسوار کو تین ہزار دینار اور پیادہ کو ایک ہزار دینار غنیمت میں ملے۔ جیسا کہ علامہ ابن الاثیر نے اپنی کتاب "الکامل فی التاریخ" میں بیان کیا ہے:-

"وَلَمَّا فَتَحَ عَبْدُ اللَّهِ مَدِينَةَ سُبَيْطِلَةَ بَثَّ جُيُوشَهُ فِي الْبِلَادِ فَبَلَغَتْ قَفْصَةَ، فَسَبَوْا وَغَنِمُوا، وَسَيَّرَ عَسْكَرًا إِلَى حِصْنِ الْأَجَمِ، وَقَدِ احْتَمَى بِهِ أَهْلُ تِلْكَ الْبِلَادِ، فَحَصَرَهُ وَفَتَحَهُ بِالْأَمَانِ، فَصَالَحَهُ أَهْلُ إِفْرِيقِيَّةَ عَلَى أَلْفَيْ أَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةِ أَلْفِ دِينَارٍ، وَنَفَّلَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ ابْنَةَ الْمَلِكِ، وَأَرْسَلَهُ إِلَى عُثْمَانَ بِالْبِشَارَةِ بِفَتْحِ إِفْرِيقِيَّةَ۔"

جب عبد اللہ بن زبیر نے شہر سبیطلہ کو فتح کر کے اپنی فوجوں کو ملک کے مختلف علاقوں میں بھیج دیا۔ دشمن فوج قبضے میں آ گئی جہاں انہیں قیدی اور مال غنیمت ہاتھ آئے۔ اجم قلعہ پر آپؓ نے فوج کشی کی، جس کے باعث لوگ قلعہ میں محصور ہو گئے۔ عبد اللہ بن زبیر نے اس کا محاصرہ کر لیا اور اسے احسن انداز اور امان سے فتح کیا۔ افریقہ کے لوگوں نے آپ سے مصالحت کر لی۔ عبد اللہ بن زبیر کو جرجیر کی بیٹی عطیہ میں ملی اور ان کو عبد اللہ بن سعد نے فتح کی بشارت دے کر سیدنا عثمان غنیؓ کے پاس روانہ کیا۔ (الکامل فی التاریخ لابن اثیر)

فتح آرمینیہ

آرمینیہ، جو بحیرہ خزر کے مغرب میں ایک ملک ہے جس کے شمال میں بحیرہ اسود، جنوب میں آذربائیجان اور مغرب میں بلادِ روم ہے۔ (معجم البلدان)

ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی لکھتے ہیں کہ عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں پہلی مرتبہ اسلامی فوجوں نے آرمینیہ کا رخ کیا، چنانچہ اسلامی لشکر حبیب بن مسلمہ فہری کی قیادت میں اس کی طرف روانہ ہوا جو آٹھ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا، اس لشکر نے آرمینیہ کے متعدد مقامات کو فتح کر لیا۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ فہری نے امیر المومنین عثمانؓ سے مدد طلب کی تو سیدنا عثمان غنیؓ نے سلمان بن ربیعہ باہلیؓ کی قیادت میں کوفہ سے تقریباً چھ ہزار مجاہدین کو روانہ کیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی لشکر کی قیادت سلمان بن ربیعہ باہلی کو سونپی گئی۔ کیونکہ آرمینیہ کا امیر سیدنا عثمان غنیؓ نے انہی کو مقرر فرمایا تھا۔ (بحوالہ الفتوح/ابن اعثم)

سلمان بن ربیعہؓ آرمینیہ میں گھس گئے پھر خزر کے علاقے میں دراندازی کی اور ہر جگہ فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے البتہ شاہِ خزر کے ساتھ عظیم معرکہ پیش آ گیا جس میں دشمن کی تعداد تین لاکھ اور اسلامی فوج صرف دس ہزار تھی، اس معرکہ میں سلمان بن ربیعہ اور آپ کے تمام ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا۔ امیر المومنین سیدنا عثمان نے حبیب بن مسلملہ کو لکھا کہ وہ آرمینیہ کی طرف دوبارہ متوجہ ہوں، چنانچہ وہ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور یکے بعد دیگرے مختلف مواقع فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے، وہاں مسلمانوں کو ثابت قدمی حاصل ہوئی اور وہاں کے لوگوں سے بعض معاہدے بھی کیے۔ (بحوالہ الولایۃ علی البلدان) پھر عثمان غنیؓ نے مناسب سمجھا کہ انہیں الجزیرہ کی سرحدوں پر روانہ کریں کیونکہ آپ کو وہاں کا اچھا تجربہ تھا اور آپ کو اس پر قدرت حاصل تھی، اور آپ کی جگہ آرمینیہ پر حذیفہ بن یمان کو مقرر فرمایا جو پہلے آذربائیجان کے گورنر تھے۔ اس طرح آرمینیہ بھی خلافتِ عثمانی کے زیر اقتدار آ گیا اور مفتوح ہوا۔ (کتاب سیدنا عثمان غنی بن عفانؓ)

فتح قبرص

قبرص اس جزیرہ کا پرانا نام ہے جو شام سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر بحیرہ روم کے قریب میں ہے جو اب Cyprus سائپرس کے نام سے معروف ہے۔ یہ یورپ اور روم کی طرف سے مصر اور شام کی فتح کا دروازہ ہے۔ مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو۔ اس لیے امیر معاویہ نے خلافتِ فاروقی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی مگر سیدنا فاروق اعظم بحری جنگ کے خلاف تھے۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہ نے امیر المومنین سیدنا عثمان غنی سے باصرار قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ جس قدر خطرناک سمجھا جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے۔ اس بارے

میں سیدنا عثمان غنی نے جواب میں لکھا کہ تمہارا بیان درست وصحیح ہے تو حملہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اس مہم میں خوشی سے شامل و شریک ہونا چاہتے ہوں۔ چنانچہ سیدنا امیر معاویہؓ نے بحری بیڑا تیار کرایا اور عبداللہ بن قیس کی زیرت قیادت قبرص پر پہلا بحری حملہ کیا گیا۔ قبرص کے باشندے لڑائی میں ماہر و قابل نہ تھے جس کے باعث سات ہزار دینار سالانہ ادا کرنے اور بحری جنگوں میں رومی بیڑوں کی نقل و حرکت کی اطلاع بہم پہنچانے کی شرط پر صلح کر لی۔ امیر معاویہ نے قبرص کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ یہ صلح کئی سال تک قائم رہی لیکن ۳۳ھ میں اہل قبرص نے رومیوں کو امداد دی اور معاہدہ صلح توڑ دیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور وہاں باقاعدہ طور پر مسلمان فوج اور بحری بیڑہ متعین کر دیا اور اسی زمانہ میں قیصر روم نے پھر مصر پر حملہ کیا لیکن مسلمان مجاہدین کے بحری بیڑے نے بر وقت امداد کر کے رومیوں کے حملے کو پسپا کر دیا اور اسکندریہ کے علاقے میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہونے دی۔ (تاریخ طبری و الکامل ابن اثیر)

تکمیل فتح ایران

خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران کا اکثر حصہ فتح ہو چکا تھا۔ مگر بعض علاقے مکمل طور پر مطیع نہیں ہوئے تھے۔ سیدنا عثمان غنی کے خلیفہ ہونے کے کچھ دنوں بعد فارس میں بغاوت شروع ہونے لگی تو عبداللہ بن عامر جو ابو موسیٰ اشعری کی جگہ بصرہ کے گورنر مقرر کیے گئے تھے، وہ فوراً فارس پہنچے اور اس علاقہ کو پوری طرح اپنے کنٹرول میں کر لیا۔ اس عرصہ میں سعد بن العاص حاکم کوفہ نے طبرستان کو دوبارہ فتح کرنے کے بعد نیشا پور کا محاصرہ کر لیا۔ ایک ماہ بعد وہاں کا حاکم اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایران کا بدقسمت بادشاہ یزدگرد جس کے دل میں ایران واپس لینے کی تڑپ آخری دم تک رہی وہ ۳۱ھ میں ایک چکی والوں کے ہاتھوں قتل ہوا اور دیگر باغی لوگ دب گئے۔ اس طرح ایران کی فتح مکمل ہوئی۔

حاصل کلام

خلافتِ عثمانی میں اسکندریہ، افریقہ، آرمینیہ، قبرص اور ایران ورَے کے علاوہ اور بھی کئی فتوحات ہوئیں۔ یہ جمیع فتوحات عثمانی اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ ان کے دور میں اہلِ اسلام اسی جرأت و بسالت، ایمان و ایقان، اخلاص و وفا، شوقِ شہادت اور ان اوصاف و اخلاق کے حامل رہے جن سے فاروقی خلافت میں متصف ہوئے اور وہ آغازِ اسلام سے ان کا طرہ امتیاز رہا۔ اگرچہ خلافت عثمانی کے اواخر میں امت مسلمہ اندرونی انتشار و خلفشار کا شکار ہو گئی تھی تاہم ان کی قوت ایمانی اور مومنانہ جرأت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور وہ فاروقی دور کی طرح ملکوں پر ملک فتح کرتے چلے گئے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ فطرتاً پاک باز، نیک دل، دیانت دار اور راست باز جلیل القدر صحابی اور خلیفۃ المسلمین تھے، حیا اور رحم و کرم والے تھے، وہ نہایت فیاض و سخی تھے۔ آپؓ اپنی فیاضی و سخاوت کے باعث بڑے ہر دل عزیز اور مقبول خاص و عام تھے۔ بہت حلیم الطبع تھے۔ وہ خلفاء سابقین کے اسوہ حسنہ کو مدنظر رکھتے تھے۔ کئی مرتبہ گورنروں نے مشورہ دیا کہ ان فتنوں کو طاقت سے دبا دیا جائے۔ مگر سیدنا عثمان غنی فرمایا کرتے تھے کہ میں مسلمانوں کا خون بہانا پسند نہیں کرتا اس طرح امیر المومنین سیدنا عثمان غنی کی شرافت اور رحم دلی و نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سازشیں شروع ہوئیں۔ ۲۳ھ میں امیر المومنین سیدنا عثمان غنی کے خلاف ایک سوچی سمجھی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کا اصل بانی عبد اللہ بن سبا ایک یہودی تھا۔ یہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ (یہ صنعاء یعنی یمن کا رہنے والا تھا) اسے ابن السوداء بھی کہتے تھے۔ یہ مسلمانوں میں عجیب و غریب عقائد ایجاد کر کے پھیلاتا اور اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا تھا۔ اس نے سیدنا عثمان پر ایسے الزام تراشے اور ایسی تہمتیں لگائیں جو قیاس و وہم میں نہیں آ سکتی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان غنی جن کی عمر اس وقت تقریباً ۸۲ سال تھی، کو ۱۸ ذی الحجہ کو روزہ کی حالت میں انتہائی بے دردی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انہوں نے تقریباً ۱۲ سال تک ۴۴ لاکھ مربع میل کے وسیع و عریض خطہ پر اسلامی حکومت کی اور نظام خلافت کو چلایا۔ خلیفہ ثالث امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اول ۶-۷ سال فتوحات و کامرانی کے ایسے عظیم عنوان سے عبارت ہیں کہ جن پر تاریخ اسلام ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ ان شاء اللہ الکریم

اقول قولی هذا
واستغفر الله لی و لکم
و لسائر المسلمین و المسلمات
و المومنین و المومنات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادیٰ وہ وقت آ جائے کہ تمہارے بُروں کو تم پر مسلط کر دیا جائے اور ان بُروں کے خلاف نیک لوگ بد دعا کریں اور وہ قبول نہ کی جائے۔"

پروفیسر عبد العظیم جانباز (سیالکوٹ)

جنت الفردوس کا عظیم مہمان -- عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلفاء راشدین کی زندگی کا ہر ہر گوشہ، ان کی فکر اور عمل کے انفرادی اور اجتماعی پہلو، ان کا اندازِ جہاں بینی، ان کا سلیقہ جہانبانی، ان کی دینی بصیرت اور ان کا فقہی اجتہاد وغیرہ ہمارے لیے مشعلِ راہ اور دنیوی و اُخروی فتوحات و برکات کے حصول کا ذریعہ و منبع ہے۔ یہ ہی ہمارے اصول و فروع ہیں۔

قرآنِ مجید میں انہیں کہیں رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کا پروانہ ملا اور کہیں مھتدون، مفلحون، راشدون، فائزون وغیرہ القابات سے نوازا گیا، ان کی حیاتِ طیبہ کو پڑھنا، سننا، عملاً اختیار کرتے ہوئے دوسروں کو اس پر النے کی فکر و سعی کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے، جب کہ کفر و الحاد کی اس گری ہوئی زندگی میں ہم اس سے بہت دور ہو چکے ہیں، حضرات صحابہ کرام کی زندگی آج ہمارے لیے اجنبی، ناآشنا اور اساطیر الاولین بن چکی ہے ......

...... فالی اللہ المشتکی۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب پیکر صدق و وفا، ہدایت کا سرچشمہ اور ظلمتوں کے اندھیروں میں روشنی کا وہ عظیم مینار ہیں جن سے جہاں ہدایت پاتا ہے، وہ قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے لیے پیکرِ رُشد و ہدایت ہیں۔

حضرت عثمان کو صحابہ کرام میں جو فضیلت اور عظمت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے، وہ "السابقون الاولون" میں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ کے بعد وہ شخص تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا، وہ ذوالنورین تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو ان کے نکاح میں دیا اور فرمایا: اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو انہیں یکے بعد دیگرے عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔ وہ ایسے غنی تھے کہ انہوں نے اپنی ساری دولت کو دین اور ملت کی نذر کر دیا، انہی کے لیے رسول اکرم ﷺ نے "بیعت الرضوان" لی۔ انہیں کاتب وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان کو مسجد الحرام کی توسیع کرانے کی سعادت میسر آئی، انہوں نے تمام عالم اسلام کو ایک مصحف اور قرأت پر جمع کیا اور جامع القرآن کے لقب سے مشہور ہوئے، ان کی سیرت کے غیر معمولی اوصاف کے پیش نظر امت نے ان کے لیے "کامل الحیاء والایمان" کے الفاظ استعمال کیے، ان کے عہد کی فتوحات تاریخ اسلام کا ایک شاندار باب ہے، انہوں نے آرمینیہ، آذربائیجان، ایشائے کوچک، ترکستان، کابل، سندھ، قبرص اور اسپین وغیرہ میں عربوں کے سیاسی اقتدار کے لیے راہیں ہموار کر دی تھیں، ان ہی کے زمانے میں بحری طاقت منظم ہوئی۔

نام و نسب و خاندان

عثمان نام، ابو عبد اللہ اور ابو عمرو کنیت، والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی تھا، قریش کی شاخ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے، حضرت عثمان کا سلسلہ نسب والد اور والدہ دونوں کی طرف سے پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت ﷺ کے سلسلہ نسب سے مل جاتا ہے، پھر اس پر مزید یہ کہ حضرت عثمان کی نانی ام حکیم یا حکم بیضاء بنت عبد المطلب یعنی کہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

ولادت

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق آپ کی ولادت واقعہ فیل کے چھ سال بعد مکہ میں ہوئی۔ (الاصابہ، ج ۲، ص ۱۲۳۸)

پیشہ

قریش کا عام پیشہ تجارت تھا، اس میں انہوں نے بڑی ناموری حاصل کی تھی، قرآنِ مجید کی سورۂ ایلاف میں گرمی اور سردی کے موسم میں قریش کے تجارتی قافلوں کا ذکر ہے، قریش کے اسی عام مذاق کے باعث حضرت عثمان نے بھی تجارت کو ذریعہ معاش بنایا اور ایک شخص ربیعہ بن حارث کی شرکت میں کپڑے کا کاروبار بہت بڑے پیمانہ پر شروع کر دیا، اس میں انہوں نے وہ کامیابی اور شہرت حاصل کی کہ ان کا لقب ہی عثمان غنی ہو گیا۔

حضرت عثمان فطرتاً بڑے حلیم، سخی اور اعلیٰ اخلاق و فضائل کے انسان تھے، اسی بناء پر قریب میں نہایت معزز و محترم تھے اور قریش ان سے اتنی محبت کرتے تھے کہ وہ ضرب المثل بن گئی تھی، چنانچہ عرب کہا کرتے تھے "اُحِبُّکَ وَالرَّحمن حُبَّ قریش عثمان"، "میں تجھ سے بخدا ایسی محبت کرتا ہوں جیسی محبت قریش عثمان سے کرتے ہیں۔"

قبولِ اسلام

حضرت ابوبکر صدیق نے کلمہ پڑھنے کے فوراً بعد دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع فرمایا تھا، جس کے نتیجے میں حضرت عثمان نے ابتداء ہی میں اسلام قبول کر لیا، قبول اسلام میں آپ کا چوتھا نمبر ہے۔

اخلاقِ حمیدہ

حضور ﷺ کی صحبت و تربیت نے حضرت عثمان کی سیرت کی تشکیل اور کردار کی تعمیر اس حد تک کی کہ آپ حضور ﷺ کے رنگ میں رنگے گئے، آپ کی

خصلات انبیاء علیہم السلام کے طرز پر تھیں، ابن عساکر نے کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "عثمان سب صحابہ سے خلق میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں۔"

منکسر المزاج

حضرت عثمان بے حد منکسر المزاج ومتواضع تھے اور اپنے جاہ و جلال کا خیال نہ رکھتے تھے، چنانچہ حضرت مالک کے دادا بیان کرتے ہیں کہ میں نے کئی بار دیکھا کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان جب مکہ سے مدینہ واپس آتے تو مدینہ سے ذرا پہلے مُعَرَّس مسجد (ذوالحلیفہ) میں قیام فرماتے اور جب مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لیے سوار ہوتے تو سواری پر پیچھے کسی کو ضرور بٹھاتے اور کوئی نہ ملتا تو کسی لڑکے کو ہی بٹھا لیتے اور اسی حال میں مدینہ میں داخل ہوتے۔

راوی کہتے ہیں کہ کیا تواضع کے خیال سے بٹھایا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں تواضع کے خیال سے بھی بٹھاتے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ پیدل آدمی کو سواری مل جائے، اس کا بھی فائدہ ہو جائے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ وہ اور بادشاہوں جیسے نہ ہوں (کہ وہ تو کسی عام آدمی کو اپنے پیچھے بٹھاتے نہیں)۔

حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں کہ مجھے ہمدانی نے بتایا کہ میں نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ آپ خچر پر سوار ہیں اور ان کا غلام نائل ان کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے، حالانکہ آپ اس وقت خلیفہ تھے۔

حلیۂ مبارک

آپ کا رنگ سفید تھا جس میں کچھ زردی کی آمیزش تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چاندی اور سونا دونوں کو مخلوط کر دیا گیا ہے، خوبصورت اور خوش قامت تھے، دونوں ہاتھوں کی کلائیاں خوش منظر تھیں، بال سیدھے تھے، یعنی گنگریالے نہیں تھے، جب عمامہ زیب سر کر لیتے تھے تو بڑے حسین وجمیل نظر آتے تھے، ناک ابھری ہوئی، جسم کا نچلا دھڑ بھاری، پنڈلیوں اور دونوں بازوؤں پر بال کثرت سے تھے، سینہ چوڑا، کاندھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، چہرے پر چیچک کے کچھ نشانات، دانت ہموار اور خوبصورت تھے، داڑھی بڑی گنجان، زلف دراز، اخیر عمر میں زرد خضاب کرنے لگے تھے، جسم کی کھال ملائم اور باریک تھی۔

سلامتِ فطرت

حضرت عثمان فطرتاً بڑے نیک، راست باز اور ایمان دار تھے، شراب عرب کی گھٹی میں پڑی تھی، جو لوگ پیتے تھے فخر کرتے اور نہ پینے والے کو طعن کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک شراب نہ پینا بخل کی علامت تھا۔

لیکن اس ماحول میں دولت وثروت کے ساتھ رہنے کے باوجود آپ ان چند اکابر قریش (مثلاً حضرت عباس، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عبد الرحمن بن عوف وغیرہ) میں سے تھے جو سلیم الفطرت ہونے کے باعث شراب سے نفرت کرتے تھے، اسی طرح گانا بجانا، لہو ولعب اور زنا کاری عرب کے پسندیدہ مشاغل میں تھے، لیکن حضرت عثمان ان سب چیزوں سے بھی طبعاً مجتنب تھے، چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: "میں نے عہد جاہلیت میں یا اسلام میں نہ کبھی زنا کیا ہے نہ شراب پی ہے اور نہ گانا بجایا ہے۔"

غذا

غذا بھی عمدہ اور پُرتکلف استعمال فرماتے تھے، آپ پہلے خلیفۃ المسلمین تھے، جن کے لیے آٹا چھنا جاتا تھا۔

اندازِ گفتگو

آپ فطرتاً کم گو تھے، لیکن جب کسی موضوع پر اظہارِ خیال فرماتے تھے گفتگو سیر حاصل کرتے اور بلیغ وفصیح کرتے تھے۔

لباس

بڑے پیمانے پر تجارت کے باعث دولت مند شروع سے ہی تھے، اس لیے فَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ کے حکم کے مطابق اللہ کی نعمتوں سے استفادہ آپ کی طبیعت کا شیوہ تھا، چنانچہ لباس بھی عمدہ قسم کا استعمال کرتے تھے، اُس زمانے میں یمنی چادریں زرد رنگ کی ہوتی تھیں اور ان کی قیمت سو درہم کے لگ بھگ ہوتی تھی اور اپنے لباس میں بھی سنت کا خیال رکھتے تھے، چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان آدھی پنڈلی تک لنگی باندھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے محبوب ﷺ کی لنگی ایسی ہوا کرتی تھی۔

دینی خودداری اور حمیت

اسلام نے اس فطرت کو چمکا کر مجلّٰی اور مصفّٰی کر دیا تھا، اس بناء پر دینی عزت نفس اور خودداری آپ میں اس درجہ کی تھی کہ نازک سے نازک موقع پر بھی آپ میں لچک پیدا نہیں ہوتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آ جائے کہ تمہارے بُروں کو تم پر مسلط کر دیا جائے اور ان بُروں کے خلاف نیک لوگ بد دعا کریں اور وہ قبول نہ کی جائے۔"

عبادت وخشیت

عبادت، قرب الٰہی اور انابت الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس لیے اپنے چند در چند مشاغل اور گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود عبادت کثرت سے کرتے اور فرائض و واجبات کے علاوہ مندوبات ونوافل کا بھی اہتمام کرتے تھے، نماز بے حد خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے، اس میں اس درجہ محبوبیت ہوتی تھی کہ گرد و پیش کی کوئی خبر نہیں رہتی تھی، اس کے ساتھ ساتھ خشیت الی اللہ بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

خدمت سے گریز

حضرت عثمان اپنی ذات کے لیے خدمت بہت کم لیا کرتے تھے، حالانکہ خدام کنیزوں کی بہتات تھی، لیکن ان کے آرام کا خیال رکھتے، حضرت عبد اللہ رومی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رات کو اپنے وضوء کا انتظام خود کیا کرتے تھے، کسی نے ان سے کہا اگر آپ اپنے کسی خادم سے کہہ دیں تو وہ یہ انتظام کر دیا کرے گا، حضرت عثمان نے فرمایا رات ان کی اپنی

ہے جس میں وہ آرام کرتے ہیں۔

ایسے ہی حضرت زبیر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میری دادی حضرت عثمان کی خادمہ تھیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ (تہجد کے وقت) حضرت عثمان اپنے گھر والوں میں سے کسی کو نہ جگاتے، ہاں اگر کوئی از خود اٹھا ہوا ہوتا تو اسے بلا لیتے اور وہ آپ کو وضو کے لیے پانی لا دیتا۔

ذو النورین

ذو النورین کا مطلب ہے دو نور والا، آپ کو اس لیے ذو النورین کہا جاتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بار دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں، کسی بھی نبی کا امتی یہ اعزاز نہ حاصل کر سکا، جب آپ کی بیوی سیدہ حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ " اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک ایک کر کے عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔"

آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں کیا جاتا ہے یعنی وہ دس صحابہ کرام جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں جنت کی بشارت دی تھی، متعدد بار جنتی ہونے کی بشارت بزبانِ نبوت آپ کو نصیب ہوئی، جب اپنی دولت دین پر نچھاور کرنے کی حد کر دی تو آمنہ کے در یتیم مدنی کریم ﷺ نے یہاں تک فرما دیا: " عثمان آج کے بعد کوئی عمل کرے یا نہ کرے عثمان جنتی ہے۔"

ازواج و اولاد

حضرت عثمان کا پہلا نکاح آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی رقیہ سے ہوا تھا، ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبد اللہ تھا، لیکن ایک مرض میں مبتلا ہو کر جلد انتقال ہو گیا، اسی کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی، حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح ہوا، ان کے انتقال کے بعد حضرت عثمان نے یکے بعد دیگرے نکاح فرمایا۔

اوصاف و کمالات

سفید رنگ، خوبصورت وجاہت، متوازن قد و قامت، داڑھی گنجان اور زلف دراز کے حامل حضرت عثمان جب لباس زیب تن کر کے عمامے سے مزین ہوتے تو بڑے خوبصورت معلوم ہوتے، آپ خوش شکل اور خوش قامت ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ سیرت و کردار کے خلعت سے آراستہ تھے، بڑے پیمانے پر تجارت کے باعث شروع ہی سے دولت مند تھے، اس لیے لباس بھی عمدہ پہنتے تھے، آپ کی غذا عمدہ اور اعلیٰ معیار کی تھی، آپ لذیذ اور نفیس غذاؤں کے عادی تھے، عرب میں بہت بڑے مال دار ہونے کے باوجود آپ کا طرزِ زندگی سادگی سے عبارت تھا۔ رہن سہن، اخلاق واطوار اور خلق و کردار میں آپ آنحضرت ﷺ کے طریقوں کو مشعل راہ بناتے، آپ کا ہر کام اتباع سنت سے آراستہ ہوتا، ایک مرتبہ آپ وضو سے فارغ ہو کر مسکرائے، لوگوں نے اس موقع پر مسکراہٹ کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: " میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کے بعد اسی طرح مسکراتے دیکھا ہے۔" (مسند احمد بن حنبل)

ایک مرتبہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بکری کے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا منگوایا، اسے تناول فرمایا اور تجدید وضو کے بغیر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، فراغت کے بعد ارشاد فرمایا: " رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی جگہ بکری کا گوشت تناول فرمایا تھا اور پھر اسی طرح بغیر تجدید وضو کے نماز پڑھی تھی۔"

تقویٰ وطہارت حضرت عثمان کا جوہر ذاتی تھا، گناہ و معصیت اور کفران و عصیان سے آپ کی طبیعت کو نفور تھا، سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے: -

" ایک مرتبہ حضرت عثمان چند لوگوں کے ہاں مدعو تھے، یہ مجمع ایک ناپسندیدہ مشغلہ گانے بجانے میں مصروف تھا، لیکن جب حضرت عثمان وہاں پہنچے تو مجمع منتشر ہو چکا تھا، آپ کو اس قبیح واقعہ کا علم ہوا تو اللہ کا شکر ادا کیا اور بطورِ کفارہ ایک غلام آزاد کیا۔" (صفۃ الصلوۃ)

حضرت عثمان کا قول و فعل سنت کا رسول ﷺ کی اتباع سے معمور تھا، آپ کا قلب و ذہن احترامِ رسول ﷺ، عشق مصطفوی ﷺ اور شیفتگی حق سے آراستہ تھا، آپ کے بڑے بڑے کمالات میں سخاوت، حلم اور حیاء نے اپنوں اور غیروں سے لوہا منوایا ہے، آپ کے اجتہادات، فرامین و مراسلات، خطبات و تقاریر آنے والی پوری امت مسلمہ کے لیے خزانہ عامرہ ہے۔

اہل حقہ کا متفقہ نظریہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے بعد سب سے بلند مقام حضرت ابوبکر صدیق کا، ان کے بعد حضرت عمر فاروق کا اور ان کے بعد حضرت عثمان کا ہے اور یہ نظریہ حضور ﷺ کی زندگی ہی میں صحابہ کرام کا تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں:

"كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَنُخَيِّرُ اَبَا بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔" (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۱۶)

" ہم حضور ﷺ کے زمانے میں لوگوں کو ایک دوسرے پر ترجیح دیتے تھے، سب سے بہتر حضرت ابوبکر کو سمجھتے تھے، ان کے بعد حضرت عمر کو اور ان کے بعد حضرت عثمان کو۔"

ہجرت

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے اللہ کے لیے جس نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان ہیں، جنہوں نے پہلی ہجرت مکہ سے حبشہ کی طرف فرمائی اور دوسری مدینہ کی طرف۔

جمع قرآن

جب آپ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم و ایران کے دور دراز علاقوں میں پھیل چکا تھا، قرآنِ مجید سات لغتوں پر نازل ہوا تھا اور صحابہ کرام سات لغات پر تلاوت فرماتے تھے، قرأتوں کا یہ اختلاف دور دراز کے علاقوں میں بھی پھیل گیا جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کا نزول سات لغات پر ہوا ہے اس وقت تک

اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی تھی، لیکن جب یہ اختلاف ان دور دراز کے ممالک میں پہنچا جن میں یہ بات پوری طرح سے مشہور نہیں ہوئی تھی کہ قرآن سات لغات پر نازل ہوا ہے تو اس وقت جھگڑے پیدا ہونے لگے، بعض لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسری کو غلط کہنے لگے تو اس وقت حضرت عثمان نے امت کو لغت قریش پر جمع فرمایا، یہ آپ کی اجتہادی شان کا عظیم کارنامہ ہے۔

کتابتِ وحی

چونکہ حضرت عثمان پڑھنا جانتے تھے، لہٰذا اسلام لانے کے بعد آپ کو کتابت وحی کا شرف بھی حاصل ہوا، حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ میں نے خود عثمان کو اس گھر میں دیکھا ہے کہ ”رات کے وقت گرمی کے موسم میں حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے حضور ﷺ حسب معمول گرانی محسوس کر رہے ہیں اور حضرت عثمان آپ کے حکم سے وحی لکھ رہے تھے۔“

ارشادِ نبوی ﷺ کا ادب واحترام

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ پروانہ وار عشق و محبت کا لازمی نتیجہ تھا کہ اگر حضور ﷺ نے کبھی کوئی بات اشارۃً وکنایۃً بھی فرمائی ہے تو حضرت عثمان نے اس کو امر محکم کی طرح گرہ میں باندھ لیا ہے اور اس کی بجا آوری کو اپنا وظیفۂ زندگی سمجھا ہے۔

پہرہ کا عدم اہتمام

حضرت عثمان پہرے کا کوئی خاص اہتمام نہیں فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت حسن اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان مسجد میں ایک چادر میں سوئے تھے اور ان کے پاس کوئی بھی نہیں تھا، حالانکہ اس وقت آپ امیر المومنین تھے۔

غلاموں کی آزادی

غلام آزاد کرنا اسلام میں ایک بڑی عبادت اور عظیم کارِ ثواب ہے، حضرت عثمان اس کا بھی بڑا اہتمام کرتے تھے، لہٰذا ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے اور اگر کسی جمعہ میں ایسا نہیں کر سکتے تھے تو اگلے جمعہ کو ایک ساتھ دو غلام آزاد کر دیتے۔

انشاء وتحریر

حضرت عثمان کو تحریر وانشاء میں بھی کمال حاصل تھا، آپ کی تحریریں خطوط کی شکل میں حدیث وتاریخ اور ادب کی کتابوں میں محفوظ ہیں (جو کہ اب اردو میں ”حضرت عثمان کے سرکاری خطوط“، مصنفہ پروفیسر خورشید احمد صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی کے نام سے منظر عام آچکے ہیں) ان پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ کلام مَا قَلَّ وَدَلَّ کا مصداق ہوتا ہے، الفاظ مرصع اور جملے کے جملے فصاحت و بلاغت کی جان اور نہایت مؤثر و دلنشین ہوتے ہیں۔

امورِ خلافت وانتظامِ ملکی

حضرت عثمان نے اپنی خلافت علی منہاج النبوت پر قائم ودائم رکھی، مجلس شوریٰ بالکل اسی طرح برقرار رکھی جس طرح آپ سے بیشتر خلفاء کے دور میں تھی، اہم امور میں آپ تمام اکابرین صحابہ، مشیران خلافت اور ضرورت پڑنے پر امہات المومنین سے مشورہ لیتے، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں جب حضرت عثمان کی خلافت کا دور آتا ہے تو مشرق و مغرب کی انتہاء تک اللہ کا دین پھیل جاتا ہے، الٰہی لشکر ایک طرف اقصیٰ مشرق تک اور دوسری طرف انتہاء مغرب تک پہنچ کر دم لیتے ہیں اور مجاہدین کی آبدار تلواریں اللہ کی توحید کو دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پہنچا دیتی ہیں، اندلس، قیرواں، سیقہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔

دوسری طرف مدائن، عراق، خراسان، اہواز سب فتح ہوئے۔ ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی، آخران کا بڑا بادشاہ خاقان خاک میں ذلیل وخوار ہوا اور زمین کے مشرقی اور مغربی کونوں نے اپنے خراج بار گاہ خلافت عثمان میں پہنچوائے۔ آپ کے زمانے کو دیکھیے اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیشین گوئی کو دیکھیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ”زمین میرے لیے سمیٹ دی گئی ہے یہاں تک کہ میں نے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا، عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک اس وقت مجھے دکھائی گئی ہے۔“

اولیاتِ عثمان

سیدنا عثمان نے بہت سے کاموں کا اجراء فرمایا جن میں سے چند ایک یہ ہیں:-

۱- بیت المال سے موذنین کے لیے وظائف کا تقرر فرمایا۔

۲- تکبیر میں آواز نیچی رکھنے کا حکم دیا۔

۳- تمام مسلمانوں کو ایک قرأت پر متفق کیا۔

۴- جمعہ کی نماز کے لیے ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا۔

۵- زمینوں پر مالکانہ حقوق کے پروانوں کا اجراء فرمایا۔

۶- بیت المال کے اونٹوں اور گھوڑوں کے چرنے کے لیے چراگاہوں کا بندوبست فرمایا۔

۷- دار القضاء کے لیے علیحدہ عمارت تعمیر فرمائی اور جج مقرر کیے۔

۸- بیت المال، مہمان خانوں وغیرہ کے لیے الگ الگ عمارات تعمیر فرمائیں۔

۹- جدہ کی بندرگاہ اپنی نگرانی میں تعمیر کرائی۔

۱۰- جگہ جگہ ضرورت کے تحت سڑکیں اور پل تعمیر کروائے۔

۱۱- اسلام میں اول وقف عام مسلمانوں کے لیے رومہ کا کنواں خریدا۔

۱۲- اسلام میں اول مہاجر مع اہل وعیال فی سبیل اللہ ہیں۔

۱۳- ملک شام میں سمندری جہازوں کے بنانے کا کارخانہ قائم کیا۔

۱۴- سب سے پہلے محتسب کا تقرر آپ نے فرمایا۔

۱۵- مدینہ کو سیلاب سے بچانے کے لیے ایک بند تعمیر کرایا۔

بقیہ صفحہ ۶۲ پر ملاحظہ کریں

محمد زبیر شیخ
(فاضل جامعہ محمدیہ، ملتان)

شمع رسالت ﷺ کا ایک پروانہ

تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بہت سی خصوصیات سے نوازا ہے۔ ان مختلف الجہت خصوصیات میں سے ایک خصوصیت وہ رجال اللہ ہیں جنہیں تاریخ میں بلند مقام حاصل ہے۔ خصوصاً صحابہ کرام کی زندگیاں ہمارے لیے روشن مثال ہیں۔ اس مضمون میں انہی ہستیوں میں سے ایک منفرد ہستی کا تذکرہ کیا جارہا ہے جن کی زندگی کفر کی موت تھی۔ وقت کی دھول بھی ان کی تابندہ سیرت کو دھندلا نہیں سکی۔ جو شرم وحیاء کا پیکر تھی۔ (مسلم: ۲۴۰۱) جو ہدایت اور علم کا سمندر تھی۔ تقویٰ اور پرہیزگاری جن کی سرشت میں شامل تھا۔ حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کی آلودگیاں بھی انہیں آلودہ نہ کرسکیں۔ (مسند احمد: ۴۳۷) ۱۲ سال تک خلافت سنبھالی۔ لاتعداد فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور اسلامی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوگئی۔ امت کو اختلاف سے نکال کر اتفاق پر قائم کردیا۔ مسلمانوں کے لیے مال پانی کی طرح بہایا۔ مسجد نبوی وسیع کروائی۔

اس ہستی کا نام نامی سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ کے مختصر حالات زندگی حسبِ ذیل ہیں۔

حالاتِ زندگی

پیدائش

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق عام الفیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ اس اعتبار سے آپ نبی کریم ﷺ سے تقریباً ۵ سال چھوٹے تھے۔ (الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر: ۴/۳۷۷، طبع: دار الكتب العلمية – بيروت)

نام ونسب، کنیت، لقب

آپ کا مکمل نام ونسب یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس قرشی اموی۔ آپ کی کنیت ابو عمر اور ابو عبد اللہ ہے۔ (الإصابة: ۴/۳۷۷) آپ کے القاب ''ذوالنورین'' اور ''امین'' ہیں۔ (سیرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، از سیف اللہ خالد، طبع دارالاندلس، ص: ۳۲)

آپ کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دولت سے نوازا تھا۔ (الإصابة: ۴/۳۷۷)

نبی کریم ﷺ سے تعلق

بلاشبہ اسلام میں شرف کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر ہے۔ [الحجرات: ۱۳] نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے: مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (صحیح مسلم: ۲۶۹۹) ''جس کو اللہ کے دربار میں اس کے اعمال نے پیچھے کردیا، اس کا خاندان اور حسب ونسب اسے آگے نہیں کرسکتا۔''

نبی کریم ﷺ نے تو اپنے خاندان والوں اور اہل بیت کو خطاب کرکے واضح طور پر فرما دیا تھا:-

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ - أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا - اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ لاَ أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لاَ أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ المُطَّلِبِ لاَ أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ لاَ أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لاَ أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا۔ (صحیح بخاری: ۴۷۷۱)

''اے جماعت قریش! یا اسی طرح کا اور کوئی کلمہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی اطاعت کے ذریعہ اپنی جانوں کو اس کے عذاب سے بچاؤ (اگر تم شرک وکفر سے باز نہ آئے تو) اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف! اللہ کے ہاں میں تمہارے لیے بالکل کچھ نہیں کرسکوں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب! اللہ کی بارگاہ میں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے صفیہ، رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے یہاں تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ اے فاطمہ! محمد (ﷺ) کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے لے لو لیکن اللہ کی بارگاہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔''

لیکن ہمارے معاشرے میں بعض لوگ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازیبا کلمات اپنے منہ سے نکالتے ہیں وما تخفي صدورهم أكبر کے ہاں شرف کا معیار نسب ہے۔ اس اعتبار سے بھی اگر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاندانی طور پر نبی کریم ﷺ سے تین طرح کا تعلق ہے۔ یعنی آپ کے نبی کریم ﷺ سے تین رشتے تھے:-

۱- آپ کی نانی محترمہ کا اسم گرامی ''ام حکیم بیضاء'' تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ (الإصابة: ۴/۳۷۷)

۲- آپ کے نسب نامہ میں چھٹی پشت پر عبد مناف کا نام آتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے نسب نامہ میں بھی چھٹی پشت پر عبد مناف کا نام ہے۔ یہ بھی ایک خاندانی تعلق اور رشتہ ہے۔

۳- نبی کریم ﷺ نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کی۔ ایک سیدہ رقیہ تھیں۔ (صحیح بخاری: ۳۱۳۰، وسنن بیہقی: ۱۸۵۸۵) دوسری ام کلثوم تھیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۵۸)

بعض لوگوں کو سیدنا عثمان کا نبی کریم ﷺ سے یہ تیسرا تعلق برداشت نہیں ہوتا، اس لیے وہ سرے سے نبی کریم ﷺ کی ایک بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی بیٹیوں کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی ان بیٹیوں کا تذکرہ ان کی کتابوں میں بھی ہے۔ مثال کے طور پر چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:-

۱- الکافی للکلینی: ۱/۲۷۸، طبع: منشورات الفجر، بیروت لبنان، دوسرا نسخہ: ۱/۵۰۹، طبع: دار التعارف للمطبوعات، بیروت لبنان، اصول کافی مترجم: ۳/۵، طبع: ظفر شمیم پبلیکیشنز ٹرسٹ، ناظم آباد نمبر۲ کراچی

۲- حیات القلوب از ملا باقر مجلسی: ۲/۸۷۱، طبع: امامیہ کتب خانہ، اندرون موچی دروازہ، لاہور

۳- نہج البلاغۃ، ص: ۳۱۳، طبع: دار العلوم للنشر والتوزیع، نہج البلاغہ مترجم، خطبہ نمبر: ۱۶۴، ترجمہ: ذیشان حیدر جوادی، ص: ۳۰۸-۳۰۹، طبع: محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی۔ دوسرا نسخہ: خطبہ نمبر ۱۶۲ ترجمہ: مفتی جعفر حسین، ص: ۳۷۹، طبع: المعراج کمپنی، لاہور

حلیہ

آپ رضی اللہ عنہ شکل وصورت کے اعتبار سے بھی بہت خوبصورت تھے۔ درمیانہ قد، گھنگھریالے بال، گورے چٹے تھے۔ (سیدنا عثمان بن عفان، شخصیت اور کارنامے مترجم، از محمد علی الصلابی، طبع: الفرقان ٹرسٹ، ص: ۳۸)

شادی اور اولاد

آپ کی پہلی شادی سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں آئیں۔ ان کے فوت ہوجانے کے بعد آپ نے فاختہ بنت غزوان، ام عمرو بنت جندب، فاطمہ بنت ولید، ام البنین بنت عیینہ، رملہ بنت شیبہ، نائلہ بنت الفرافصہ سے مختلف اوقات میں شادی کی۔ شہادت کے وقت آخر الذکر آپ کے پاس موجود تھیں۔

ان مختلف بیویوں سے آپ کے ۹ بیٹے اور ۷ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ (سیدنا عثمان بن عفان، شخصیت اور کارنامے، ص: ۳۹)

قبول اسلام

جب آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۴ برس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبول اسلام کے شرف سے نوازا اور آپ کلمہ پڑھ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ آپ کے اسلام قبول کرنے میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کوششوں کا بہت بڑا عمل دخل ہے۔ (سیرت ابن ہشام، طبع: مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی - مصر، ص: ۱/۲۵۰)

اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان کا چچا حکم بن ابی العاص نے رسی میں جکڑ دیا اور نہایت تکلیف دی۔ (سیدنا عثمان بن عفان، شخصیت اور کارنامے، ص: ۴۶)

فی سبیل اللہ ہجرت

آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خاطر دو مرتبہ اپنے وطن کو چھوڑا۔ پہلی مرتبہ آپ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ پھر وہاں سے واپس مکہ آئے اور اس کے بعد ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا تو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

غزوات میں شرکت

اسلام اور کفر کے درمیان جب پہلا معرکہ ہوا جسے غزوہ بدر کہتے ہیں، اس میں آپ شریک نہ ہو سکے کیونکہ اس وقت آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بیمار تھیں اور آپ ﷺ نے خود سیدنا عثمان کو پیچھے رہنے کا حکم دیا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۱۳۰، وسنن بیہقی: ۱۸۵۸۵)

اس کے علاوہ باقی غزوات میں آپ نے سرگرم شرکت کی۔

۶ ہجری میں نبی ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ صحابہ سمیت عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے ۱۴۰۰ صحابہ کرام کے ساتھ رخت سفر باندھا اور عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ لیکن جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو کفار نے آگے جانے سے روک دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کفار سے بات کرنے کے لیے سیدنا عثمان بن عفان کا انتخاب کیا اور انہیں اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ کیا۔ وہاں سے واپسی پر انہیں دیر ہوگئی جس پر مسلمانوں میں یہ افواہ اڑ گئی کہ عثمان شہید کر دیے گئے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیعت لی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ الفتح اسی موقع کی مناسبت سے نازل فرمائی ہے۔ اس میں یہ پورا واقعہ موجود ہے۔

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سفیر رسول عثمان بن عفان نہیں، بلکہ عثمان بن مظعون تھے۔ ان کی تسلی کے لیے ان کی ایک کتاب کا حوالہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس میں واضح طور پر عثمان بن عفان لکھا ہوا ہے۔ الکافی للکلینی، کتاب الروضۃ: ۸/۱۷۳، طبع: منشورات الفجر، بیروت لبنان، دوسرا نسخہ: ۸/۲۵۴، طبع: دار التعارف للمطبوعات، بیروت لبنان

۹ ہجری میں ہونے والے غزوہ تبوک جسے جیش عسرۃ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ سخت گرمی کے موسم میں تھا، آپ نے اس کی تیاری میں اس قدر مدد کی کہ رسول اللہ ﷺ خوش ہوگئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "جو اس لشکر کو تیار کرنے میں مدد کرے گا، اس کے لیے جنت ہے۔" (صحیح بخاری: ۲۷۷۸) تو سیدنا عثمان نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا۔

خلافت صدیقی میں

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد جب ابو بکر خلیفہ بنے تو سیدنا عثمان کا مجلس شوریٰ کے اہم ارکان میں شمار ہوتا تھا۔ آپ سیدنا ابو بکر کے جنرل سیکرٹری، ناموس اعظم اور کاتب اکبر تھے۔ (سیدنا عثمان بن عفان، شخصیت اور کارنامے، ص: ۸۳)

خلافت فاروقی میں

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کی مجلس شوریٰ کے ارکان میں ایک اہم نام سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا تھا۔

خلافت عثمانی

جب ابولؤلؤ فیروز نے سیدنا عمر کو زخمی کیا اور آپ کو اپنی وفات کا یقین ہوگیا تو آپ نے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی اور فرمایا کہ خلیفہ انہی میں سے کوئی ایک ہوگا۔ وہ چھ آدمی یہ تھے: عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف (رضی اللہ عنہم)۔

اس موقع پر زبیر نے علی کا، طلحہ نے عثمان کا اور سعد نے عبدالرحمن بن عوف کا نام پیش کیا۔ آخر کار اتفاق رائے سے عثمان رضی اللہ عنہ ۴ محرم ۲۴ ہجری کو مسندنشین خلافت ہوئے۔ (عثمان بن عفان، شخصیت اور کارنامے، ص: ۱۰۵)

بعض لوگوں کو خلفائے ثلاثہ یعنی سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ انہیں غاصب قرار دیتے ہیں۔ جبکہ سیدنا علی بن ابی طالب کا اس بارے میں نقطہ نظر کیا تھا، اس کی وضاحت انہی کی ایک معتبر ترین کتاب سے ہوجاتی ہے۔ اس کتاب کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا:-

"إنه بايعني القوم الذين بايعوا أبا بكر و عمر و عثمان على ما بايعوهم عليه، فلم يكن للشاهد أن يختار و لا للغائب أن يرد، و إنما الشورى للمهاجرين و الانصار، فإن اجتمعوا على رجل و سموه إماما كان ذلك لله رضى، فإن خرج من أمرهم خارج بطعن أو بدعة ردوه إلى ما خرج منه، فإن أبى قاتلوه على أتباعه غير سبيل المؤمنين و ولاه الله ما تولى۔"
(نہج البلاغۃ، ص: ۴۹۱، طبع: دارالعلوم للنشر والتوزیع)

"میری بیعت اسی قوم نے کی ہے جس نے ابوبکر و عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی۔ اور اسی طرح کی ہے جس طرح ان کی بیعت کی تھی کہ نہ کسی حاضر کو نظر ثانی کا حق تھا اور نہ کسی غائب کو رد کرنے کا اختیار تھا۔ شوریٰ کا اختیار بھی صرف مہاجرین و انصار کو ہوتا ہے، لہٰذا وہ کسی شخص پر اتفاق کرلیں اور اسے امام نامزد کردیں تو گویا کہ اسی میں رضائے الٰہی ہے اور اگر کوئی شخص تنقید کرکے یا بدعت کی بنیاد پر اس امر سے باہر نکل جائے تو لوگوں کا فرض ہے کہ اسے واپس لائیں، اگر وہ انکار کردے تو اس سے جنگ کریں کہ اس نے مؤمنین کے راستے سے ہٹ کر راہ نکالی ہے اور اللہ بھی اسے ادھر پھیر دے گا جدھر وہ پھر گیا ہے۔" (نہج البلاغہ مترجم، خط نمبر: ۶، ترجمہ: ذیشان حیدر جوادی، ص: ۴۸۸ - ۴۸۹، طبع: محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی۔ دوسرا نسخہ: خط نمبر: ۶، ترجمہ: مفتی جعفر حسین، ص: ۵۶۲، طبع: المعراج کمپنی، لاہور)

کارہائے نمایاں

آپ نے ۱۲ سال تک خلافت کا کام سنبھالا۔ ۲۴ ہجری میں آذربائیجان اور ۲۷ ہجری میں طرابلس فتح ہوا۔ ۲۷ ہجری میں ہی اسپین پر حملے کیے۔ ۲۸ ہجری میں قبرص پر بحری حملے کے ذریعے فتح حاصل ہوئی۔ ۳۰ ہجری میں طبرستان فتح ہوا۔ اس کے علاوہ چھوٹی موٹی اور بھی فتوحات حاصل ہوئیں۔ رومیوں سے بحری جنگ بھی آپ کے زمانے میں ہوئی۔

شہادت کے اسباب

اتنے عظیم الشان اور رحمدل خلیفہ کو ۳۵ ہجری میں ان کے گھر میں نہایت مظلومانہ طور پر شہید کردیا گیا۔ اگر اس کے پیچھے اسباب کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں خوشحالی اور فارغ البالی آگئی تھی جس کی وجہ سے ان میں اسلام کے لیے وہ پہلے جیسا جوش و جذبہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے علاوہ جو نئے لوگ مسلمان ہوئے تھے، ان میں خلوص وللّٰہیت کی کمی تھی۔ آپ کے دور میں بہت سے عجمی ممالک سلطنتِ اسلامیہ میں داخل ہوئے جس کی وجہ سے عجمی عناصر میں زیادتی ہوتی گئی۔ علاوہ ازیں یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیاں بھی جاری تھیں خصوصاً عبداللہ بن سبا یہودی کا اس سارے واقعہ میں بہت بڑا ہاتھ اور کردار تھا۔

چند الزامات اور ان کے جوابات

بعض لوگوں کو سیدنا عثمان سے خصوصی عداوت ہے، اس لیے وہ آپ پر چند مخصوص الزامات عائد کرتے رہتے ہیں، حالانکہ ان کے واضح جواب کئی مرتبہ دیے جاچکے ہیں۔ چند مشہور اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ کیجیے:-

پہلا اعتراض

غزوہ بدر سے غیر حاضر رہے۔

دوسرا اعتراض

غزوہ احد میں پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے۔

تیسرا اعتراض

بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

جواب

ان تینوں کا اعتراضات کا جواب صحیح بخاری میں موجود ہے۔

عثمان بن موہب بیان کرتے ہیں کہ ایک مصری آدمی آیا اور حج بیت اللہ کیا، پھر کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کسی نے کہا کہ یہ قریشی ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان میں بزرگ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبداللہ بن عمر ہیں۔ اس نے پوچھا۔ اے ابن عمر! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ مجھے بتائیں گے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان نے احد کی لڑائی سے راہ فرار اختیار کی تھی؟ ابن عمر نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہوا تھا۔ پھر اس نے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ جواب دیا کہ ہاں ایسا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بیعت رضوان میں بھی شریک نہیں تھے۔ جواب دیا کہ ہاں! یہ بھی صحیح ہے۔ یہ سن کر اس کی زبان سے نکلا: "اللہ اکبر" تو ابن عمر نے کہا: قریب آجاؤ، اب میں تمہیں ان واقعات کی تفصیل سمجھاتا ہوں۔ احد کی لڑائی سے فرار کے متعلق میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور اس وقت وہ بیمار تھیں اور نبی کریم

ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہیں (مریضہ کے پاس ٹھہرنے کا) اتنا ہی اجر و ثواب ملے گا جتنا اس شخص کو جو بدر کی لڑائی میں شریک ہوگا اور اسی کے مطابق مال غنیمت سے حصہ بھی ملے گا۔ اور بیعت رضوان میں شریک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس موقع پر وادی مکہ میں کوئی بھی شخص (مسلمانوں میں سے) عثمان سے زیادہ عزت والا اور بااثر ہوتا تو نبی کریم ﷺ اسی کو ان کی جگہ وہاں بھیجتے۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ آپ ﷺ نے انہیں (قریش سے مذاکرات کرنے کے لیے) مکہ بھیج دیا تھا اور جب بیعت رضوان ہو رہی تھی تو عثمان مکہ جا چکے تھے۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا تھا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور پھر اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا تھا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد ابن عمر نے سوال کرنے والے شخص سے فرمایا: جاؤ، ان باتوں کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹۸)

سیدنا ابن عمر نے غزوہ احد میں پیچھے ہٹنے پر جس معافی کا تذکرہ کیا ہے، وہ قرآن مجید میں ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (آل عمران: ۱۵۵)

"تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور یقین رکھو کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بردبار ہے۔"

چوتھا اعتراض

انہوں نے لوگوں کو خصوصاً اپنے رشتہ داروں کو دل کھول کر عطیات دیے۔

جواب

آپ پہلے ہی مالدار تھے۔ بئر رومہ کی خریداری اور جیش عسرہ کی تیاری والے واقعات سے ان کی مالداری واضح ہے۔ انہیں بیت المال سے دوسروں کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے یہ بے بنیاد الزام ہے۔

پانچواں اعتراض

قرآن کو جلایا۔

جواب

اس کی وجہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ سیدنا انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حذیفہ بن الیمان امیر المؤمنین عثمان کے پاس آئے۔ اس وقت حضرت عثمان آرمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے سلسلے میں شام کے غازیوں کے لیے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے، تاکہ وہ اہل عراق کو ساتھ لے کر جنگ کریں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی قرأت کے اختلاف کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: امیر المؤمنین! اس سے پہلے کہ یہ امت (امت مسلمہ) بھی یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے، آپ اس کی خبر لیجئے۔ چنانچہ عثمان رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں کہلا بھیجا کہ صحیفے (جنہیں زید رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جمع کیا تھا اور جن پر مکمل قرآن مجید لکھا ہوا تھا) ہمیں دے دیں تاکہ ہم انہیں مصحفوں میں (کتابی شکل میں) نقل کروالیں۔ پھر اصل ہم آپ کو لوٹا دیں گے۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے اور آپ نے زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعد بن العاص، عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ ان صحیفوں کو مصحفوں میں نقل کرلیں۔ عثمان نے اس جماعت کے تین قریشی صحابیوں سے کہا کہ اگر آپ لوگوں کا قرآن مجید کے کسی لفظ کے سلسلے میں زید سے اختلاف ہو تو اسے قریش ہی کی زبان کے مطابق لکھ لیں کیونکہ قرآن مجید بھی قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور جب تمام صحیفے مختلف نسخوں میں نقل کر لیے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صحیفوں کو واپس لوٹا دیا اور اپنی سلطنت کے ہر علاقہ میں نقل شدہ مصحف کا ایک ایک نسخہ بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا کوئی چیز اگر قرآن کی طرف منسوب کی جاتی ہے خواہ وہ کسی صحیفہ یا مصحف میں ہو تو اسے جلا دیا جائے۔ (صحیح بخاری: ۴۹۸۷)

گویا کہ یہ تو عثمان رضی اللہ عنہ کا اچھا عمل تھا جو انہوں نے امت کی خیر خواہی اور بھلائی کے پیشِ نظر کیا تھا۔

اہل بیت سے تعلق

بعض لوگوں کے نزدیک صحابہ کرام کا خاندانِ علی سے اچھا سلوک نہیں تھا اور ان کی آپس میں شروع سے دشمنیاں تھیں۔ اس سلسلہ میں سیدنا عثمان پر بھی کیچڑ اچھالا جاتا ہے اور انہیں خاندانِ علی کا دشمن ثابت کیا جاتا ہے۔ آیئے انہی کی کتابوں کے حوالہ سے دیکھتے ہیں کہ کیا واقعتاً یہی صورتحال تھی؟

جب سیدنا علی کی شادی کا موقع آیا تو سیدنا علی کے پاس بطور سامان صرف ایک زرہ تھی۔ سیدنا عثمان بن عفان نے وہ زرہ چار سو درہم میں خرید لی۔ جب سودا مکمل ہو گیا اور عثمان رضی اللہ عنہ نے زرہ اور علی رضی اللہ عنہ نے درہم پکڑ لیے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابوالحسن! کیا اب میں زرہ کا تمہاری نسبت اور تم درہموں کے میری نسبت زیادہ حق دار نہیں ہو؟'' علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''کیوں نہیں۔ ایسا ہی ہے۔'' تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''یہ زرہ میری طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے۔'' علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے درہم اور زرہ کو پکڑا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس چلا گیا۔ وہاں جا کر میں نے درہم اور زرہ کو آپ ﷺ کے سامنے رکھا اور سارا معاملہ گوش گزار کیا کہ کس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے میری خیر خواہی کی ہے۔ تو آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ لابی الحسن علی بن عیسیٰ الاربلی، طبع: دار الاضواء بیروت، ج: ۱، ص: ۳۶۸-۳۶۹، وفی نسخۃ اُخریٰ: ج: ۱، ص: ۳۵۹، طبع: مکتبۃ بنی ہاشم تبریز)

اس کے بعد جب نکاح کی مجلس منعقد ہونے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور بہت سے انصار صحابہ کو بلا بھیجا۔ (کشف الغمۃ:

۱/ ۳۵۸، وفی نسخۃ أخری: ۱/ ۳۴۸)

فضائل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

۱- نبی کریم ﷺ نے کئی مرتبہ آپ کو جنت کی بشارت دی۔ (صحیح بخاری: ۲۷۷۸، ۶۲۱۶)

۲- جن دس صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ نے نام بنام جنت کی بشارت دی، انہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ (سنن ابی داود: ۴۶۴۹)

۳- اسلام کی خاطر دو مرتبہ ہجرت کی اور غریب الدیار رہنے۔ (بخاری: ۳۶۹۶)

۴- نبی کریم ﷺ کے خلفاء راشدین میں آپ کا تیسرا نمبر ہے۔

۵- بئر رومہ خرید کر وقف کیا اور نبی کریم ﷺ کی اس بشارت کا مصداق بنے: ''جو شخص بیئر رومہ کو کھودے گا اور اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دے گا تو اسے جنت کی بشارت ہے۔'' (صحیح بخاری: ۲۷۷۸)

۶- نبی کریم ﷺ کے عہد میں صحابہ کرام ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں قرار دیتے تھے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ کو اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹۷)

۷- نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید قرار دیا تھا۔ (صحیح بخاری: ۳۶۹۹)

ضعیف احادیث

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں مذکورہ اور غیر مذکورہ صحیح روایات کے ہوتے ہوئے ضعیف روایات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر دو ضعیف احادیث پیش کی جاتی ہیں جو ہمارے ہاں عمومی طور پر سیدنا عثمان کے فضائل و مناقب میں بیان کی جاتی ہیں:-

۱- سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تاکہ آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔ تو آپ ﷺ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! اس سے پہلے ہم نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی پر جنازہ کی نماز نہ پڑھی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ عثمان سے بغض رکھتا تھا، تو اللہ نے اسے مبغوض کر دیا" (سنن ترمذی: ۳۷۰۹)

تبصرہ: امام ترمذی نے اس روایت کے ایک راوی ''محمد بن زیاد'' کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ البانی نے اس روایت پر ''موضوع'' کا حکم لگایا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ۱۹۶۷)

۲- سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے، اور جنت میں میرے رفیق عثمان ہوں گے۔" (سنن ترمذی: ۳۶۹۸)

تبصرہ: امام ترمذی نے اس روایت کی سند کو منقطع قرار دیا ہے۔ کیونکہ حارث بن عبد الرحمن بن ابی ذباب نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ (تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف للمزی: ۴/ ۲۱۲، طبع: المکتب الاسلامی)

حاصل ہونے والے اسباق

اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں گزشتہ اقوام کے واقعات بیان کر کے فرمایا ہے:-

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (یوسف: ۱۱۱)

''یقیناً ان کے واقعات میں عقل و ہوش رکھنے والوں کے لیے بڑا عبرت کا سامان ہے۔''

اس سے ہمیں یہ قاعدہ اور قانون ملتا ہے کہ ہم جب بھی کوئی واقعہ پڑھیں یا کسی کی سیرت سے واقف ہوں تو ہمیں اس سے اپنے لیے اسباق اخذ کرنے چاہییں۔ اسی قاعدہ اور قانون کے تحت سیرت عثمان سے اخذ ہونے والے چند اسباق حسبِ ذیل ہیں:-

۱- دین کے لیے جان و مال کی قربانی کا جذبہ ہمارے اندر ہونا چاہیے۔

۲- دین کی خاطر وطن چھوڑنا پڑے تو کوئی حرج محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

۳- شرم و حیا کو اختیار کرنا چاہیے۔

۴- صبر و تحمل اور حلم و بردباری کو اپنانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

بقیہ: ثالث ثلاثہ حضرت عثمان بن عفان شہید

کیونکہ تیسری قسم کی نشانی قرآن میں یہ بتائی گئی ہے کہ وہ دعا کریں گے کہ" اے اللہ! جو ایمان والے ہم سے پہلے گزر چکے ہیں ان پر بخشش کر اور ہمارے دل میں ان کا کینہ نہ پیدا کر۔"

اس کے بعد امام موصوف نے نہایت خفگی کے لہجہ میں فرمایا کہ" میری مجلس سے نکل جاؤ۔ اللہ تمہیں سزا دے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں محبانِ صحابہ میں بنائے۔ آمین

بقیہ: مشاہیر عثمانی

۱۲۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ قاری عبد الرحمن پانی پتی کے تلمیذِ رشید تھے۔ فن قرأت کی تعلیم و تدریس میں اپنی زندگی وقف کر دی۔ ۱۳۷۲ھ میں وفات پائی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی

علامہ شبیر احمد عثمانی تحریک پاکستان کے نامور رہنما اور اپنے عہد کے جید عالم دین تھے۔ ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمود الحسن دیوبندی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تحریک پاکستان کے سرکردہ رہنما تھے۔ ان کی تصانیف میں "تفسیر عثمانی" اور "فتح الملہم" کو علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت ملی۔ ۱۳۶۹ھ میں وفات پائی۔

مفتی محمد شفیع عثمانی

مفتی محمد شفیع بن محمد یٰسین عثمانی ۱۳۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ دار العلوم دیوبند سے تکمیلِ علم کیا۔ وہیں تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے حامیوں میں سے تھے، اسی لیے قیام پاکستان کے بعد کراچی تشریف لے آئے۔ یہاں ۱۳۷۰ھ میں دار العلوم کورنگی قائم کیا۔ جو آج بھی قائم ہے۔" معارف القرآن" کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ جسے عوامی حلقے میں بڑی مقبولیت ملی۔ ۱۹۷۶ء میں وفات پائی۔

ابو عمار سلیم

جود وسخا کا پیکر عظیم -- خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اللہ رب العزت نے اپنی زمین کو بنایا اور اسے اپنی بہترین تخلیق یعنی انسان کے سپرد کر دیا اور اس پر اسے اپنا نائب بنا کر اتار دیا۔ اللہ نے جو تمام علوم کا منبع اور جاننے والا ہے، اپنی خلقت عظیم، انسان کو خود اپنے علم کا جتنا حصہ چاہا عطا کر دیا۔ اور یہ علم حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذات خود بغیر کسی واسطہ کے عطا کیا۔ اور اسی علم کی بدولت انسان تمام فرشتوں کا مسجود بنا اور اللہ کے دربار میں شرف حاصل کیا۔ جب انسان زمین پر اتارا گیا تو اس نے اللہ کے ودیعت کردہ اسی علم کی بدولت دنیا کے حالات کے مطابق اپنا راستہ چنا اور اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ بدلتے ہوئے موسمی تغیرات، جغرافیائی حالات، زمین کے خطرناک چیلنج، مشکل حالات اور رزق کے حصول کے ذرائع کے مطابق اپنا ایک معاشرہ قائم کیا۔ اللہ کے بتائے ہوئے احکامات اس ابتدائی انسانی معاشرہ کا بنیادی پتھر تھا مگر وقت کے گذرنے کے ساتھ، اقدار کی تبدیلی اور معاشرتی حاجات کے تحت انسان اپنے راستے تبدیل کرتا رہا اور زندگی گذارنے کے ڈھنگ اور طور طریقوں میں بھی تبدیلیاں کرتے ہوئے ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ زندگی کے تمام شعبے اس ارتقا کی زد میں آئے۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ انسان نے اپنی زندگی کو بہ سہولت گذارنے کی خاطر اس دوران اپنے لیے ایک معاشی نظام بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتیں انسان کے لیے راستے نکالتی رہیں اور اس نے اپنی گذران کا ایک مفصل ڈھانچہ تیار کر لیا۔ معاشی مضبوطی کو انسان نے اپنے لیے بہت ہی اہمیت دی اور اس کو اپنی زندگی سہولت کے ساتھ گذارنے اور رزق کی فراہمی کا بہت بڑا سہارا بنا دیا۔ اسی احساس کی بدولت انسان نے کسب معاش کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور مختلف ذرائع ایجاد کرتا رہا۔ کھیتی باڑی جیسے ابتدائی ذرائع رزق سے شروع کر کے آج کے دور کے انتہائی پیچیدہ معاشی فلسفہ تک آ پہنچا۔ الغرض مضبوط اقتصادی حالات بہترین زندگی کا جز ولازم بن گیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ انسان کی ضرورت غلہ، معدنیات، سونے چاندی سے ہوتی ہوئی روپیہ پیسہ تک آ پہنچی اور اب یہی انسان کی حیثیت کو جانچنے کا معیار ٹھہرا۔ زیادہ روپیہ سونا چاندی اور زمین جائداد بہتر اور مضبوط شخصیت کی ضمانت بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جو علم اور دماغ عطا کیا اس کو انسان نے روپیہ پیسہ سونا چاندی وغیرہ کے حصول میں خوب خوب استعمال کیا۔ نتیجہ کے طور پر ہم جائزہ لیں تو دور انسانی کے ہر موڑ پر ہمیں بڑے دولت مند لوگ نظر آتے ہیں جنہیں اللہ نے نوازا اور ان کے اوپر اپنی رحمتوں اور نوازشوں کے خم کے خم لنڈھائے۔ انسان جو بات نہیں سمجھا وہ یہ تھی کہ اللہ نے جو عنایات اس پر جاری کر رکھی ہیں وہ دراصل اس کی محنت کا صلہ تو ہے مگر اللہ کی عنایت بھی ہے اور اللہ کی طرف سے فتنہ بھی ہے اور آزمائش کا ایک جال ہے۔ روپیہ پیسہ کی فراوانی نے انسان کو بھٹکایا بھی بہت مگر بہت سے لوگوں کی آخرت کی بہتری کی ضمانت بھی بن گیا۔ بڑے بڑے بادشاہ جیسے نمرود و فرعون جو گذرے وہ تو بے شمار زمین و جاگیر اور سونے چاندی کے ذخائر کے مالک تو تھے ہی لیکن ان کے ساتھ ہی ان کے حاشیہ نشینوں نے بھی خوب خوب دولت کمائی۔ ہامان، شداد، قارون وغیرہم، کا تذکرہ تو قرآن میں بھی ہوا اور ان کی سرکشی اور طغیان کو اللہ نے جس طرح مٹایا اس کا بھی تذکرہ ہوا۔ مگر انسان نے ان تمام واقعات سے بہت ہی کم سبق سیکھا۔ آج بھی دیکھیں تو دنیا میں دولت جائز و ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ۲۰۱۶ء کے لیے فوربس کے ادارے نے دنیا کے تمام ارب پتی لوگوں کی جو فہرست جاری کی ہے اس میں کل ۱۶۹۴ حضرات کے نام ہیں جن کے اثاثے ۷۵ ارب (بل گیٹس) سے لے کر ایک ارب تک کا اثاثہ رکھنے والے لوگ شامل ہیں۔ اس میں موجودہ امریکی صدارتی امیدوار ڈونالڈ ٹرمپ صاحب ساڑھے چار ارب امریکی ڈالر کے ساتھ ۳۲۴ ویں نمبر پر ہیں۔ مگر ان تمام حضرات میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے یہ سب جائداد و دولت صرف اپنی ذات کے لیے جمع کی۔ ان میں معدودے چند ہی ہیں جو اپنا مال انسانیت کی بھلائی فلاح اور دکھی انسانیت کی خدمت میں لگاتے ہیں۔

اللہ نے اپنے بہت سے بندوں کو ایسی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں کہ وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگائیں تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ انسانی تاریخ کے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ اللہ کا فضل اور عنایتیں لوگوں پر بہت نازل ہوئیں۔ قرآن کریم کے بقول قارون کے خزانوں کے صندوقوں کی چابیاں کئی تنومند لوگ مل کر اٹھایا کرتے تھے۔ قرآن نے لوگوں کی تعداد نہیں بتائی مگر پرانے ادیان کے حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی چابیاں تین سو خچروں پر لادی جاتی تھیں۔ آج بھی بل گیٹس کے مال کو اٹھایا جائے تو پتہ نہیں اس کا کتنے ٹن وزن بنے گا۔ بہت سے نیک لوگ قارون کو بھی سمجھاتے تھے کہ اکڑ کر مت چل، فساد نہ پھیلا یہ اللہ کا کرم ہے اس کی شکرگزاری کر مگر وہ سرکش یہی کہتا رہا

کہ یہ سب میرے علم اور ہنر کا نتیجہ ہے۔ آج بھی آپ کے علم میں ایسے بہت سے پیسے والے لوگ ہوں گے جو اپنی دولت پر اکڑتے ہیں اور بھلائی و فلاح کے لیے کسی غریب پر ایک روپیہ بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ قرآن کا یہ کہنا ہے کہ جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور آخرت کے خزانوں میں جمع کرا دو جہاں یہ کئی گنا بڑھ کر تمہیں ملے گا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہمیں قرآن پر بھروسہ ہے اور نہ اللہ کے وعدہ پر۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے اللہ کے وعدہ پر اعتبار کر لیا اور اپنا مال اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کر دیا۔ ایسے ہی اللہ کے نیک بندوں میں حضور نبی اکرم ﷺ کے خلیفہ ثالث اور آپ کے داماد حضرت ذوالنورین عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان ایام جاہلیت میں بھی رؤسائے قریش میں گنے جاتے تھے۔ زمین جائیداد کے مالک بھی تھے اور تجارت کی بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی عمدہ سوجھ بوجھ عطا کی تھی۔ آپ قریش کے بہت بڑے تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تجارت شام، یمن اور مشرق وسطیٰ کے دیگر ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے تجارتی قافلے میں ہزار دو ہزار اونٹ ہوا کرتے تھے اور غلہ اناج کے علاوہ دیگر اشیائے ضرورت بھی لاتے اور لے جاتے۔ ایمان دار ہونے کی بدولت عرب کے اس وقت کے رواج کے مطابق دیگر حضرات بھی اپنا سامان ان کے قافلے میں شامل کرتے اور منافع کماتے۔ الغرض یہ کہا جائے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ بابرکت ہاتھ عطا کیے تھے کہ مٹی کو بھی چھو لیں تو وہ سونا بن جاتی تھی۔ اسلام سے قبل بھی آپ نے بہت دولت کمائی اور اسلام کے بعد بھی آپ کے ذرائع تجارت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں تیزی اور فراوانی رہی تو بے جا نہ ہوگا۔ عمدہ کھانے خود بھی کھاتے اور لوگوں کی دعوت و ضیافت بھی خوب فرماتے۔ آپ یہ تلقین بھی کیا کرتے تھے کہ کھانا اچھا کھایا کرو۔ آپ خود اچھا لباس پہنتے اور اچھے سجیلے جوان تھے۔ اور کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کے رزق میں جب فراوانی کر رکھی تھی، ذاتی طبیعت میں کوئی بخل اور کنجوسی نہ تھی تو زندگی گذارنے کے ڈھنگ اور طور طریقے بھی اسی کی مطابقت سے نفیس اور پسندیدہ تھے۔ آج کے دولت مند ہاتھ میں پیسے آ جانے کے بعد اس کے بے جا نمود و نمائش اور کردار و اخلاق کی مختلف برائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ طغیان و سرکشی اور شراب و شباب کی گناہ آمیز زندگی ان کا وطیرہ بن جاتا ہے۔ لیکن حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا اپنا ارشاد ہے کہ باوجود تمام فراوانیوں کے میں نے ایام جاہلیت میں بھی نہ کبھی شراب پی اور نہ ہی زنا اور جوا کے نزدیک گیا اس لیے کہ مجھے ذاتی طور پر ان اعمال سے نفرت تھی، اور جس ہاتھ سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا اس ہاتھ کو تمام زندگی اپنی کمر سے نیچے نہیں لے گیا۔ اللہ اللہ کیا احتیاط ہے اور کیسی پاکیزگی ہے۔ یقیناً جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو طبیعت اتنی مبارک اور پاکیزہ عطا کی جب ہی تو آپ کو یہ سعادت تمام بنی آدم پر اللہ نے دی کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قبل تک کوئی انسان ایسا نہیں گزرا جس کے نکاح میں کسی بھی نبی اور پیغمبر کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں ہوں۔ یہ آپ کی فضیلت کی انتہائی عظیم مثال ہے جس کے بعد آپ کے مناقب گنانے کی کسی کو کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو ذوالنورین کہا گیا اور آپ کے لیے یہ وجہ افتخار بن گیا۔ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ حلم و بردباری، حیا، عفت و پاک دامنی، امانت داری، خوش کلامی، زہد و ورع، ہر ایک کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہنا آپ کی عظیم المرتبت شخصیت کے بڑے روشن منارے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اسلام کے ابتدائی دور میں مدینہ منورہ کے مضافات سے کوئی درماندہ اور پریشان حال شخص مدینہ آیا۔ اسے مدد کی شدید ضرورت تھی اور ہر طرف سے مایوس ہو کر شہر آیا تھا کہ شاید یہاں سے کچھ امداد مل جائے تو مشکل آسان ہو جائے۔ مدینہ میں وہ کسی کو جانتا نہ تھا۔ مسجد میں کسی کو اپنا حال بتایا اور درخواست کی کہ میری مدد کرو۔ اس شخص نے کہا کہ میں تو اس قابل نہیں ہوں، ہاں تمہیں ایک آدمی کا بتاتا ہوں اس کا نام عثمان ہے تم اس کے پاس چلے جاؤ تمہارا کام ہو جائے گا اور ساتھ ہی حضرت عثمان کا گھر بھی دکھا دیا کہ یہ گھر ہے۔ مغرب ہو چکی تھی اندھیرا پھیل رہا تھا۔ یہ شخص پر امید ہو کر حضرت عثمان کے گھر کے دروازے پر پہنچا اور چاہا کہ دستک دے کہ اچانک اندر سے کسی کی لونڈی کو ڈانٹنے کی آواز آئی کہ اس کمرے میں جب کوئی بھی نہیں ہے تو یہاں چراغ کیوں جلا رکھا ہے۔ یہ آدمی تو ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا کہ یا اللہ یہ بندہ تو اتنا کنجوس ہے کہ صرف ایک چراغ جلنے پر اتنا برہم ہو رہا ہے۔ اس کے دل نے کہا کہ چلو واپس چلو یہاں کام نہیں بنے گا۔ مگر پھر خیال آیا کہ جس نے یہاں کا پتہ بتایا تھا وہ بڑے ہی پر زور طریقہ سے کہہ رہا تھا کہ یہاں تمہارا کام ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر اس نے قدم بڑھایا اور دروازے پر دستک دی۔ اندر سے حضرت عثمان نمودار ہوئے۔ اس شخص نے ڈرتے ڈرتے اپنی غرض بتائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی اور اس سے کہا کہ مدینہ شہر کے باہر فلاں جگہ جاؤ وہاں تمہیں ایک قافلہ کا پڑاؤ ملے گا۔ یہ میرا تجارتی قافلہ ہے جو آج واپس آیا ہے۔ اس قافلہ میں فلاں شخص ملے گا جو اس کا نگہبان ہے اس کو میرا یہ رقعہ دے دو وہ سارا قافلہ بمعہ اس کے ساز و سامان کے میں تمہیں دیتا ہوں۔ یہ سب تمہارا ہے لے جاؤ۔ وہ شخص بہت حیران ہوا کہ اتنی بڑی سخاوت، ایسا بڑا صدقہ اور ایسی عظیم الشان قربانی۔ وہ بولا کہ حضرت ابھی تو آپ اپنی لونڈی کو صرف ایک چراغ کے بے جا جلنے پر اس بری طرح ڈانٹ رہے تھے اور ادھر یہ فیاضی، یہ کیا ماجرا ہے۔ آپ نے فرمایا فضول خرچی اللہ کو ناپسند ہے اور گناہ کے زمرے میں آتی ہے اور صدقہ اللہ کو بہت پسند ہے جس کا صلہ اللہ ستر گنا سے بھی بڑھا کر دیتا ہے۔ سبحان اللہ۔

جود و سخا کا یہ کوئی واحد مظاہرہ نہیں تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی تمام زندگی اسی طرح کی

سخاوت اور فیاضی کا عملی مظہر تھے۔ لوگوں کی دل کھول کر مدد کرنا، قرض مانگنے والوں کو کبھی انکار نہ کرنا اور شاذ ہی کسی سے رقم کا تقاضہ کرنا، دوسروں کی ضروریات کو سمجھنا اور ان سے واقف رہنا اور ہر گھڑی ان کی بلا کسی جھجک کے مدد کرنا آپ کا شعار رہا۔ اپنے عزیز و اقرباء اور اپنے قبیلہ کے تمام لوگوں کی خبر گیری اور ان کی معاونت اور مدد اپنی تمام ضرورتوں کو بالائے طاق رکھ کر فرماتے۔ یہاں تک کہ اپنی خلافت کے دور میں مال غنیمت کی تقسیم میں لوگوں کا جو حصہ ہوتا تھا وہ لوگ تو بیت المال سے اٹھا کر اپنے گھر لے جاتے تھے مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وہ مال بیت المال سے اٹھا کر سیدھا اپنے ضرورت مند اعزا اور اقربا کو دے دیا کرتے تھے۔ خلافت کے خلفشار کے زمانے میں خارجیوں اور منافقوں نے جو الزامات آپ پر عائد کیے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ بیت المال سے مال اٹھا کر اپنے رشتہ داروں کو دے دیا۔ جب کہ اصل صورت حال ایسی نہ تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے ہر جمعہ کے دن ایک غلام آزاد کرتا آیا ہوں۔ اگر کسی ہفتہ ناغہ ہوا تو اس سے اگلے جمعہ کو دو غلام آزاد کردیئے۔ اب ذرا حساب لگائے کہ آپ جناب نے جب اسلام قبول کیا اس وقت آپ کی عمر مبارک تقریباً ۳۵ برس تھی اور آپ کی شہادت کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۸۸ برس تھی۔ یہ لگ بھگ ۵۳ برس بنتے ہیں۔ کم سے کم کا حساب بھی رکھیں تو آپ اگر ہر برس پچاس غلام آزاد کرتے تھے تو پورے عرصہ میں آپ نے کم از کم دو ہزار چھ سو پچاس (۲۶۵۰) غلام آزاد کیے اور اپنی شہادت سے ایک دن قبل آپ کے پاس ۴۰۰ غلام تھے جن کو آپ نے اس ایک دن میں آزاد کر دیا۔ گویا آپ نے اپنی جود و سخا سے بھر پور زندگی میں ۳۰۰۰ لوگوں کی گردن کو غلامی کی زنجیروں سے چھڑایا۔ یہ کیا کچھ کم بات ہے۔ اتنا بڑا دل کیا کسی عام انسان کا ہو سکتا ہے اور پھر یہ کہ اللہ رب العزت نے، جو ہر نیکی اور صدقات کو ستر سے سات سو گنا بڑھا کر یا اس سے بھی زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے، اس کے دربار میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کتنی کمائی کی۔ کتنے لوگ اس امت میں ایسے ہوں گے جو ان کی برابری کر سکیں گے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت سے اسلام کی جس طرح مدد کی اس کے مظاہر اور بھی زیادہ دل پذیر اور ایمان افروز ہیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں وہ ہوں جس نے سید الکونین نبی الاکرم صادق الوعد ﷺ کے ہاتھوں سے تین مرتبہ جنت خریدی ہے۔ ان اعمال کی تمام تفصیل تاریخ کی کتابوں اور سیرت خلیفہ ثالث میں موجود ہیں۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ المنورہ پہنچے تو وہاں ایک کنواں بئر رومہ نامی تھا جس کا پانی اچھا اور میٹھا تھا ایک یہودی کی ملکیت میں تھا جو مہنگے داموں پانی بیچتا تھا۔ مسلمانوں کو پانی کی شدید قلت بھی تھی تو حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ جو اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے اس کے لیے جنت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون سبقت کر سکتا تھا۔ آپ فوراً اس یہودی کے پاس پہنچے اور اس سے سودا کرنا چاہا مگر یہودی بیچنے کو تیار نہ ہوا تو آپ نے اس سے انتہائی مہنگے داموں آدھے کنویں کا سودا کر لیا اور طے یہ پایا کہ ایک دن پانی وہ نکالے گا اور ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کا پانی نکالیں گے۔ حضرت عثمان نے اپنی باری مسلمانوں کے لیے وقف کر دی۔ مسلمان اپنی باری پر خوب پانی نکالتے تو یہودی کو اس پانی کا کوئی پیسہ نہ ملتا۔ اس کو نقصان کا اندازہ ہوا تو اس نے اپنا آدھا کنواں بیچنے کا عندیہ ظاہر کیا اور حضرت عثمان نے باقی آدھا کنواں بھی خرید لیا اور سارے کا سارا پانی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ رسول اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے اور اس عظیم کام کے اوپر حضرت عثمان کو جنت کا مژدہ سنایا۔ وہ بابرکت کنواں اُس وقت سے آج تک مسلمانوں کی بھلائی کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ آج بھی وہ کنواں اور اس سے متصل کھجوروں کا باغ موجود ہے جو حجاج کرام کے لیے زیارت کی ایک جگہ ہے۔ آج کل اس کے پانی سے کھجوروں کو سیراب کیا جاتا ہے جس میں اس وقت تقریباً ڈیڑھ ہزار درخت ہیں اور اس کی کھجور بازار میں بھی بکتی ہے اور رمضان میں مسجد نبوی میں روزہ داروں کا مفت روزہ افطار کرانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ذرا سوچیے کہ پچھلے پندرہ سو برسوں سے اس نیکی کا جو منافع اللہ کے پاس حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے اکاؤنٹ میں جمع ہو رہا ہے اس کی مقدار کتنی ہوگی اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ حضرت عثمان کو کیا بدلہ دیں گے۔ اور تو اور جناب مجیب الرحمان شامی کے حوالے سے خبر یہ ملی ہے کہ اس بئر رومہ کا اندراج مدینہ المنورۃ کی میونسپلٹی میں آج بھی حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے نام سے ہے اور اس باغ اور کنویں کی نگرانی سعودی حکومت کا محکمہ زراعت کرتا ہے۔ اس کی جو آمدنی ہوتی ہے اس کا آدھا فلاحی کاموں میں استعمال ہوتا ہے اور بقیہ آدھا ایک سعودی بینک میں حضرت عثمان ابن عفان کے نام سے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا ہے۔ جو سعودی محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ہے اور یتیموں، بیواؤں اور ضرورت مند لوگوں کی مدد کے سلسلہ میں ان ہی کے زیر انتظام خرچ کیا جاتا ہے۔ اور اب اس جمع شدہ رقم سے ایک بڑی زمین خریدی گئی ہے جس پر ایک فائیو اسٹار عظیم الشان ہوٹل، فندق عثمان بن عفان کی تعمیر ہو رہی جس سے اندازہ ہے کہ سالانہ پچاس ملین ریال کی آمدنی متوقع ہے۔

غزوہ تبوک ایک ایسا عظیم غزوہ تھا جو اسلام کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب لانے والا تھا۔ اپنے وقت کی سب سے بڑی سپر پاور یعنی روم کی سلطنت سے ٹکراؤ تھا۔ اس کے لیے تیاری بھی بہت چاہیے تھی اور جس کے لیے لشکر بھی بہت بڑا درکار تھا۔ اس کام کو پورا کرنے کے لیے رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کو اس غزوہ کی بڑی ترغیب دی ساتھ ہی چندہ دینے کا بھی فرمایا۔ یہی وہ موقع تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال لا کر حضور ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال پیش خدمت کیا اور فرمایا کہ میں نے پیچھے اللہ اور اس کے رسول کو اپنے گھر والوں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ اس

موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک ہزار سونے کے دینار پیش کیے۔ حضور اکرم ﷺ بڑی دیر تک وہ دینار اپنی گود میں لیے بیٹھے اس کو الٹ پلٹ کرتے رہے اور فرمایا کہ آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ اللہ کیا عمدہ صلہ ملا۔ کیسا بلینک چیک عطا کیا آقائے نامدار نے۔ ہے کوئی اس کی مثال۔

اسی جیش عسرہ میں حضرت عثمان نے اپنی جیب سے ایک ہزار سواروں کا لشکر تیار کیا۔ اس کے لیے سواری، سواری کا کل سامان یہاں تک کہ لگام اور اونٹوں کی رسی بمع ہتھیار کے خدمت نبوی میں پیش کر کے ایسا کارنامہ انجام دیا کہ رسول برحق صادق الوعد نے ان کو جنت کی حتمی خوش خبری سنائی۔

اسی طرح ایک موقع پر جب اسلام تیزی سے پھیلا اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگ گئے تو مسجد نبوی جسے حضور پاک ﷺ نے مدینہ منورہ آنے کے بعد اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کی ضرورت کے مطابق بنائی تھی وہ چھوٹی پڑنے لگی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو مسجد نبوی کے ساتھ والی زمین خرید کر مسجد میں شامل کرے اس کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ حضرت عثمان کے حبیب، دوست، سسر، آقا و مولا کی طرف سے ارشاد ہوا اور جنت کا بھی وعدہ ہوا اور عثمان اس پر جھٹ پٹ عمل نہ کریں، ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ بہت سارے مسلمانوں کے بس میں شاید اس وقت اتنی گنجائش نہ ہو کہ زمین خرید سکیں۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تو ایسی کوئی مشکل نہیں تھی۔ آپ نے جلد از جلد وہ زمین خریدی اور مسجد کی توسیع کے لیے خدمت نبوی علیٰ صاحب التسلیم میں پیش کر دی اور جناب صادق الوعد ﷺ سے جنت کی بشارت حاصل کر لی۔ سبحان اللہ۔ کیسے سچے شیدائی تھے پیغمبر اسلام کے اور کیسی حرص تھی جنت حاصل کرنے کی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ اور ملحقہ علاقوں میں بہت شدید قحط پڑا۔ لوگ بہت پریشان ہوئے اور امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیر المومنین نے فرمایا صبر کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، عنقریب اللہ کے ایک نیک اور محبوب ترین بندے کے ہاتھوں تمہاری مشکل حل ہو جائے گی۔ اسی رات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ واپس آیا جس میں ایک ہزار اونٹ غلہ اور اناج سے بھرے ہوئے تھے۔ مدینہ کے سارے تاجر دوڑے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور زیادہ سے زیادہ پیش کش کر کے غلہ حاصل کرنا چاہا مگر وہ جو غنی تھا اسے دنیاوی مال و دولت کی ہوس کب تھی وہ تو ایک ایسا تاجر تھا جو تجارت اللہ کے ساتھ کرتا تھا۔ انہوں نے انتہائی سختی سے تمام خریداروں کو واپس لوٹا یا اور خلیفۃ المومنین کے پاس جا کر تمام مال اور غلہ ان کے حوالہ کر دیا کہ یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے آپ اسے جیسے چاہیں لوگوں میں بانٹ دیں۔ سبحان اللہ۔ ہمارے آقا و مولا سید الکونین خاتم المرتبت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایسے ہی تو آپ کو غنی کا خطاب نہیں دے دیا تھا۔ آپ اس خطاب کے بالکل صحیح حقدار تھے۔ دیکھیے کہ کیسی تجارت انہوں نے اللہ کے ہاتھوں کی۔ اور پھر امیر المومنین نے آپ کے لیے جو کلمات خیر کہے ہوں گے یقینا اللہ کے دربار میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

آپ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں بھی اپنی فیاضی اور سخاوت میں کم نہ رہے۔ لوگوں کی دادرسی، کم حیثیت اشخاص کی امداد، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، غلاموں کو بلا کسی اجر کے آزاد کرانا یہ سب آپ کے معمولات میں شامل رہا مگر اس دور میں آپ نے اوپر ہونے والے اخراجات بہت کم کر لیے تھے اور ان کے مزاج کی سادگی ان کے اوپر عود کر آئی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن شداد سے مروی ہے کہ میں نے امیر المومنین کو جمعہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تو مجھ کو ان کا انتہائی سادہ لباس دیکھ کر بڑی عبرت ہوئی کہ جس شخص کے دروازے پر ہر روز ہزاروں کا کپڑا اور جنس ضرورت مندوں کو صدقہ ہوتا ہے اس کا اپنا لباس پانچ درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں ہر سال حج کرتے تھے۔ دوران حج جو بھی اخراجات اٹھتے وہ سب کے سب آپ اپنی ذاتی جیب سے ادا کرتے تھے اور بیت المال پر اس کا کوئی بوجھ نہ ڈالتے۔ پورے موسم حج میں تمام آنے والے حجاج کرام کو کھانا خود اپنی طرف سے کھلاتے تھے۔ ذرا غور کریں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور ﷺ کے ساتھ ایک لاکھ کے قریب حجاج نے حج کیا تھا۔ آپ کی رحلت کے بعد اور حضرت عثمان کے دور آخر تک تیس سال کے عرصہ میں حجاج کی تعداد میں کتنا اضافہ ہو گیا ہوگا اور ہر سال کتنے حاجی حج کے لیے جاتے ہوں گے اور ان تمام لوگوں کی مکمل ضیافت امیر المومنین کے ذاتی جیب سے ہو رہی ہوتی۔ یقیناً لَا نُرِيْدُ مِنكُمْ جَزَاء وَلَا شُكُوراً کا عملی مظاہرہ تھا۔ آپ خلیفۃ المسلمین تھے اور آپ کو کسی سے کوئی غرض تو تھی نہیں اس لیے آپ جو بھی کر رہے تھے اور اس مد میں جتنے عظیم اخراجات ہو رہے تھے آپ کی ذاتی جیب سے ہو رہے تھے۔ فی سبیل اللہ ہو رہے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس طرح کے کتنے سخی دنیا میں گذرے ہیں جو دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت اللہ کی راہ میں اللہ کی خوشنودی کے لیے لٹاتے رہے ہوں گے۔ مگر ہمارے اسلاف میں سے حضرت ذوالنورین نے جو تاریخ اس سلسلہ میں رقم کی ہے میرا یقین راسخ ہے کہ ایسا کچھ پچھلے پندرہ سو برسوں میں شاید کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درجات میں اضافہ کرے۔ آپ نے رہتی دنیا تک کے لیے قرآن کریم کے اس دعوے کی عملی تفسیر کرا دی کہ اللہ کے راستے میں خرچ کی ہوئی رقم اور مال اللہ کے وعدے کے مطابق بڑھا چڑھا کر واپس کر دی جاتی ہے۔ آپ کے فیض کا دریا آج بھی جاری و ساری ہے۔ آپ کا خرچ کیا ہوا مال اور اس سے بنایا ہوا اثاثہ آج پندرہ سو سال کے بعد بھی عوم الناس کے لیے اتنا ہی سود مند اور فیض مند ہے جیسا آپ کے دور میں تھا۔

☆-☆-☆-☆-☆

محمد حسین ہیکل
ترجمہ: مولانا مرزا اصفر بیگ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توسیع

اچھے کھانے، عمدہ لباس اور خوش حال زندگی ہی وہ واحد چیز نہ تھی جس کی طاقت خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی اپنی زندگی میں خاص طور پر رکھتے تھے بلکہ امور خاصہ اور عامہ کے لیے ان کا نظریہ اس شخص کا سا تھا جو کسی ذاتی فائدہ کی خواہش نہیں رکھتا۔ مدینہ میں مسجد نبوی سرکاری عمارت تھی۔ سرور کائنات ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں بیٹھ کر امور عامہ کا انتظام کرتے اور جب جمہور مسلمانوں کے مشورے کی ضرورت ہوتی تو "الصلوٰۃ الجامعۃ" کی آواز دی جاتی، لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے اور سید المرسلین نبی کریم ﷺ ان سے مشورے کرتے۔ آپ کے بعد آپ کے دونوں خلفاء بھی ان سے مشورہ اسی طرح کرتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی یہی کیا لیکن وہ مسجد کو اس طرح کی سرکاری عمارت بنانے پر راضی نہ ہوئے جیسی حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء کے عہد میں تھی۔

آپ نے سوچا کہ اسے ایک پر ہیبت مقام ہونا چاہئے۔ اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح غور وفکر نہیں کیا تھا کہ اس کو اس قابل بنا دیں کہ اس جگہ سے ان ریاستوں میں احکام صادر کیے جائیں جہاں کے لوگ دمشق، فسطاط، کوفہ اور بصرہ کے محلات میں رہتے ہیں۔ مسجد نبوی پہلے پہل کشادہ بنائی گئی۔ اس کی دیواریں اینٹوں کی بنی تھیں اور اس کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ اسلام کے پھیلنے اور مدینہ منورہ میں آسودگی کے بڑھ جانے اور اہل مدینہ کو فراخی حاصل حاصل ہوجانے کے باوجود بھی اس مسجد میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ جب مسلمانوں نے خیبر کو فتح کیا او مدینہ میں صرف مسلمان ہی رہ گئے اور اسلام قبول کرنے والوں کی وجہ سے ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا تو مسجد میں توسیع کرنا بھی ضروری ہوگیا اس لیے نبی اکرم ﷺ نے مسجد کے صحن میں ایک سو میٹر یا اس سے زیادہ کا اضافہ کر دیا، مگر اس کی عمارت جو اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اس میں اور کھجور کی ٹہنیوں اور تنوں میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کوئی نئی تعمیر نہیں ہوئی صرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد کے ستون بوسیدہ ہوگئے تھے اور آپ نے انہیں بنوا دیا۔ جب حضرت عمر کا دور آیا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد مدینہ منورہ آ گئی تو دوبارہ مسجد کی توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی تو حضرت عمر نے مسجد کے صحن میں اضافہ کر دیا مگر اس کی عمارت میں تبدیلی نہیں کی۔ آپ نے دیواروں کو دوبارہ اسی طرح بنوا دیا جیسی حضور نبی اکرم ﷺ نے بنائی تھیں اور اس کی بنیاد پتھروں سے بنائی اور اوپر کے حصے کو اینٹوں سے بنایا اور اس کے ستون کھجور کے تنوں سے اور چھت اس کی ٹہنیوں سے بنائی۔ مسجد کے چھ دروازے رکھے اور اس کی ایک جانب ایک مکان بنایا جس کا نام "بطحاء" رکھا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ جو کوئی بات کرنا چاہے یا آواز بلند کرنا چاہے تو وہ اس مکان میں چلا جائے تا کہ مسجد دنیاوی تجارت اور بے کار باتوں اور گناہ کے کاموں سے پاک رہے۔

جب حضرت عثمان کو خلافت ملی تو شروع شروع میں ہی لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ مسجد میں توسیع کریں۔ انہوں نے آپ سے شکایت کی کہ مدینہ کی آبادی فتوحات کی وجہ سے بڑھ جانے کی بدولت مسجد بہت تنگ ہوگئی ہے اور جمعہ کے دن بطور خاص بہت دشواری ہوتی ہے۔ حضرت عثمان نے اہل رائے سے مشورہ کیا تو سب نے مسجد کو گرانے، دوبارہ تعمیر کرنے اور اس میں توسیع کرنے پر اتفاق کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کے صحن کو بہت وسیع کر دیا اور حضرت عمر کی طرح صرف اس کے اضافہ پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس میں اپنے میلان طبیعت کے مطابق تبدیلیاں کیں۔ جو لوگ مسجد کو حضور نبی کریم ﷺ کی تعمیر کے مطابق بنانا چاہتے تھے انہوں نے برا منایا مگر حضرت عثمان نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ انہوں نے مسجد کو نہ صرف اینٹوں سے نہیں بنایا بلکہ اس کے ستونوں اور چھت کو بھی کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں سے بنانے کی بجائے اس کی تمام دیواروں کو منقش پتھروں سے تعمیر کیا اور اس کے ستونوں کو سوراخ دار پتھروں سے بنوایا جن میں لوہا اور سیسہ ڈالا اور ان پر باہر سے نقش و نگار بنوا دیا اور اس کی چھت کو گول چادروں سے بنوایا اور مسجد اپنی اصلی بنیادوں پر قائم رہی۔ آپ نے اس پر کچھ پردے ڈال دئے اور اسے خوش منظر بنا دیا۔ اس کام کی وجہ سے کچھ اصحاب رسول آپ سے ناراض ہوگئے اور آپ سے اس کا مواخذہ کیا۔

حضرت عثمان نے مسجد کو یہ ہیبت اور شوکت عطا کر دی کیونکہ وہ اسلامی حکومت کا مرکز تھی۔ اس جگہ سے دمشق، فسطاط کوفہ اور بصرہ کے محلات میں رہنے والے حکمرانوں کو احکامات صادر کیے جاتے تھے۔ یہ فعل ہمیں اس بات کے کہنے پر آمادہ کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں مسجد الحرام کی توسیع کے وقت ایسا کام نہیں کیا حالانکہ بیت اللہ کے ارد گرد تنگ

بقیہ صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ کریں

ابو محمد معتصم باللہ

اسلامی حکومت کی تعمیر میں حضرت عثمان رضی کا اقتصادی تعاون

حضرت عثمان کا شمار ان اغنیائے کرام میں ہوتا تھا جنہیں اللہ نے بے حد وحساب دولت سے نوازا اور انہوں نے بھی اللہ کی راہ میں اپنے تئیں بے حد وحساب خرچ کیا۔ زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں ہی میں اللہ نے انہیں بے شمار مال و دولت سے نوازا اور دونوں ہی عہد میں ان کی سخاوت و فیاضی کے چرچے رہے۔ بے شمار لوگ ان کے در دولت کے ممنونِ احسان تھے۔

ایمان کی دولت سے سرفراز ہونے کے بعد حضرت عثمان کی شخصیت میں مزید نکھار آیا۔ ان کی دولت کو صحیح مصرف ملا اور ان فیاضی مقصدیت سے ہمکنار ہوئی۔ اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر میں ان کا اقتصادی تعاون تاریخ اسلام کا زریں باب ہے۔ اس زریں باب کے کچھ انتہائی نمایاں گوشے ہیں جن سے حضرت عثمان کے اقتصادی تعاون کی اہمیت اور اس کی وقعت واضح ہوتی ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ ان گوشوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

بئر رومہ

نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا۔ عام مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ ہر کسی کے لیے میٹھے پانی کا حصول آسان نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:-

"مَنْ يَشْتَرِي بِئْرَ رُومَةَ فَيَجْعَلَ دَلْوَهُ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِينَ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ۔" (۱)

"جو بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے عام کر دے اسے جنت میں اس سے بہتر ملے گا۔"

و نیز فرمایا:-

"مَنْ ابْتَاعَ بِئْرَ رُومَةَ، غَفَرَ اللَّهُ لَهُ۔" (۲)

"جو بئر رومہ کو خریدے گا، اللہ اسے بخش دے گا۔"

حضرت عثمان کے لیے نبی کریم ﷺ کا فرمان حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ اللہ نے ان کے لیے اس حکم کی تعمیل کے اسباب بھی مہیا کیے تھے، کیسے ممکن تھا کہ وہ پیچھے رہ جاتے۔ انہوں نے بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے عام کر دیا۔ اس طرح وہ جنت کے حقدار بھی بنے اور اسلامی ریاست کی ایک بہت بڑی ذمہ داری کی تکمیل بھی کی۔

مسجد نبوی کی توسیع

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی آبادی بڑھ گئی تھی، پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ اس آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔ لوگ کثرت کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے۔ ایسے میں جلد ہی مسجد نبوی میں اضافے اور توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی اور وقت کے ساتھ ساتھ شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

"مَنْ يَشْتَرِي بُقْعَةَ آلِ فُلَانٍ فَيَزِيدَهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ۔" (۳)

"جو فلاں کی زمین خرید کر مسجد میں اضافہ کرے گا اس کے لیے جنت میں اس سے بہتر ہے۔"

حضرت عثمان نے اس موقع پر بھی سبقت کی اور بیس یا پچیس ہزار درہم میں وہ جگہ خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دی۔ مسجد نبوی محض مدینہ کی اس پہلی اسلامی ریاست کا عبادت خانہ نہیں تھا بلکہ اسے ایک مکمل مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ یہیں اس پہلی اسلامی ریاست کا سیاسی، اقتصادی، معاشی و معاشرتی دفتر قائم تھا۔ یہیں ریاست کے معاملات دیکھے جاتے۔ غزوات و سرایا کے لیے لشکر کی تیاری کی جاتی۔ اس لیے اس کی توسیع ناگزیر تھی۔ یہ حضرت عثمان کا بہت بڑا اقتصادی تعاون تھا جو اسلامی حکومت کی تعمیر کے لیے انہوں نے انجام دیا۔

جیش عسرۃ

۹ھ میں غزوہ تبوک کا معرکہ پیش آیا۔ اسلامی تاریخ کا یہ نہایت اہم باب ہے۔ اسلامی تاریخ اس کے ذکر کے بغیر کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس غزوے کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد اسلامی ریاست کی توسیع کی رفتار یکسر بدل گئی تھی۔ اہل عرب کو رسالت محمدی کا یقین ہو گیا تھا۔ لوگ جوق در جوق اسلام کے دامن میں پناہ لے رہے تھے۔ ایسے میں قیصر روم کو یہ احساس ستانے لگا کہ عرب کی یہ ابھرتی ہوئی طاقت آنے والے دنوں میں اس کے لیے خطرے کا باعث ہوگی۔ قیصر روم کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کو نظر انداز کر دیتا۔ چنانچہ ایسے میں قیصر نے یہی مناسب سمجھا کہ اس سے پہلے کہ مسلمان ایک عظیم طاقت بن جائیں اور انہیں شکست دینا ممکن نہ رہے، مسلمانوں کو کچل دینا ضروری ہے۔ اسی خیال سے قیصر روم نے شام کی رومی سلطنت اور اپنے ماتحت عربوں یعنی آل غسان کو فوج کی فراہمی شروع کر دی تاکہ مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جائے۔

رومیوں اور غسانیوں کی جنگی تیاریوں کی خبریں مسلسل مدینہ پہنچ رہی تھیں۔ یہ زمانہ شدید گرمیوں کا تھا۔ لوگ تنگ دستی اور قحط سالی کی آزمائش سے دوچار تھے۔ ایسے میں کسی جنگ کی تیاری اور میدانِ جنگ میں شرکت طبیعتوں پر بہت شاق تھی۔ یہ صحیح معنوں میں ایمانی آزمائش کا موقع تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی دقتِ نظری نے بخوبی جان لیا تھا کہ یہ ایک فیصلہ کن موقع ہے۔ اگر اس موقع پر رومیوں کو مسلمانوں کے زیرِ اثر علاقوں میں گھسنے دیا گیا

یا وہ مدینہ کی مرکزی ریاست کی طرف رخ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو اسلامی دعوت پر اس کے برے نتائج مرتب ہوں گے۔ عرب کی جاہلیت کو زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ دم توڑ چکی تھی دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ منافقینِ مدینہ جو مسلمانوں پر گردشِ زمانہ کا انتظار کر رہے تھے عین موقع آزمائش پر مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ ابو عامر منافق کے ذریعہ اس گروہ کے روابط قیصر روم سے براہ راست استوار تھے۔ منافقین کا یہ گروہ مسلمانوں کی خبریں رومیوں تک پہنچایا کرتا تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی دوررَس نگاہیں ان تمام نتائج وعواقب کو اچھی طرح دیکھ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک قطعی اقدام کا فیصلہ کیا۔ جس کی منافقین اور خود رومیوں کو توقع بھی نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام آزمائشوں کے باوجود رومیوں کی سرزمین میں گھس کر لڑنے کا قطعی فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوے کی تیاری کے لیے صحابہ کرام کو ابھارنا شروع کیا۔ مدینہ کی یہ پہلی اسلامی ریاست اس بار کسی مقامی طاقت سے لڑنے نہیں جا رہی تھی بلکہ اس وقت کی سب سے بڑی دنیاوی طاقت سے فیصلہ کن لڑائی کرنے جا رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ پوری شدت کے ساتھ اس کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ صحابہ کرام نے جب رسول اللہ ﷺ کا جوش وخروش دیکھا تو وہ بھی پیچھے نہ رہے۔ غریب اور فاقہ مست صحابہ حاضر ہوتے اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کے لیے سواری مہیا کی جائے تا کہ وہ بھی اس غزوے میں حصہ لے سکیں۔ مگر آپ ﷺ ان سے معذرت کر لیتے۔ قرآن کریم نے اس حالت کا انتہائی دلکش انداز میں نقشہ کھینچا ہے:-

" میں تمہیں سوار کرنے کے لیے کچھ نہیں پاتا تو وہ اس حالت میں واپس ہوتے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے کچھ نہی پا رہے ہیں۔"

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ نے وسعت و فراخی سے نوازا۔ وہ اس موقع پر انفاق فی سبیل اللہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا مال لا کر رسول اللہ ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دیا اور فرمایا کہ خانوادہ صدیق کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا نام ہی کافی ہے۔ ان کے صدقے کی مالیت چار ہزار درہم تھی۔

مالیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ انفاق حضرت عثمان نے کیا۔ حضرت عثمان نے سب سے پہلے دو سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت اور دو سو اوقیہ (تقریباً ساڑھے انتیس کلو) چاندی صدقہ کیے۔ اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا۔ اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے کر آئے اور نبی کریم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیئے۔ رسول اللہ ﷺ اسے الٹتے جاتے اور دوبار (ایک روایت کے مطابق تین بار) فرمایا:-

"مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الیَوْمِ۔"(۴)

" آج کے بعد عثمان کو کوئی عمل بھی ضرر نہیں پہنچائے گا۔"

بقول شاہ محمد جعفر پھلواروی:-

" یہ دراصل ایک پیشین گوئی ہے کہ عثمانؓ آیندہ کوئی کام ایسا کر ہی نہ سکیں گے جو اللہ کی نگاہ میں قابلِ گرفت ہو۔" (۵)

اس کے بعد حضرت عثمان نے پھر صدقہ کیا اور دوبارہ صدقہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔ (۶)

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا گیا کہ اس غزوے کی تیاری نہایت مشکل حالات میں کی گئی تھی اسی لیے اس لشکر کا نام ہی جیش عسرۃ پڑ گیا تھا۔ اور جیش عسرۃ کی تیاری میں غالب ترین حصہ حضرت عثمان ہی کا تھا۔ انہیں کے اقتصادی تعاون سے گویا مسلمانوں کی پہلی عسکری طاقت عمل میں آئی۔

اسلامی لشکر تبوک کے مقام تک پہنچ گیا تھا۔ مسلمانوں کے جوش وخروش اور جذبہ ایمانی کے سامنے رومیوں کی مادی طاقت شکست کھا گئی تھی وہ لڑنے کی ہمت نہ کر سکے اور بکھر جانے میں عافیت جانی۔ رسول اللہ ﷺ کے اس مدبرانہ فیصلے کے نہایت دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ پورا عرب مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو گیا۔ منافقین کی سازشیں دم توڑ گئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی ریاست کی سرحدیں براہ راست خود کو وقت کی سب سے بڑی طاقت سمجھنے والی سلطنت روم سے جا ملی۔

عہدِ صدیقی کا اقتصادی بحران

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک سال بارش نہ ہوئی جس کے سبب فصلیں نہ ہوئیں۔ لوگ غذائی قلت کا شکار ہو گئے۔ لوگ اپنی پریشانیاں لے کر حضرت ابو بکر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: "کہ آپ لوگ واپس جائیں اور صبر کریں۔ ان شاء اللہ شام تک اللہ آپ کی پریشانی دور فرما دے گا۔"

اتنے میں حضرت عثمان کا تجارتی قافلہ جو سو اونٹوں پر مشتمل تھا غلہ سے لدا ہوا مدینہ پہنچ گیا۔ اس کی خبر جب مدینہ کے تاجروں کو ملی تو وہ حضرت عثمان کے در دولت پہنچ گئے اور عرض کیا کہ وہ غلہ خریدنا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان نے ان سے نرخ پوچھا۔ تاجروں نے کہا کہ وہ دس کا بارہ دیں گے۔ حضرت عثمان نے کہا مجھے اس سے زیادہ مل رہا ہے۔ تاجروں نے کہا کہ دس کا پندرہ دیں گے۔ حضرت عثمان نے کہا مجھے ایک کا دس مل رہا ہے۔ تاجروں نے کہا یہ تو ممکن ہی نہیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ اللہ مجھے ایک کا دس دے رہا ہے گواہ رہو میں یہ سارا غلہ مدینہ کے مسلمانوں پر وقف کرتا ہوں۔ (۷)

حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کئی ایک سیاسی و مذہبی بحرانوں کا شکار تھی جن سے حضرت ابو بکر نے پوری ایمانی جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اور ہر سازش کو ناکام بنا دیا۔ اس وقت کسی معاشرتی بحران سے ریاست کے لیے کئی مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ حضرت

عثمان کے مال و دولت نے اس موقع پر بھی ویسا ہی انفاق کیا جیسے قبل ازیں وہ عہدِ رسالت میں کرتے آ رہے تھے۔

مسجد نبوی کی پختہ تعمیر

حضرت عثمان کے اوّلیات میں سے یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے مسجدِ نبوی کی پختہ تعمیر کروائی۔ گھاس پھونس کی چھت اور بانس کی دیواروں کی بجائے منقش دیواروں، محرابوں اور ستونوں سے مسجد نبوی کو آراستہ کیا۔

پہلے پہل جب وہ خلیفہ بنے تو لوگوں نے مسجد نبوی میں جگہ کی تنگی کی شکایت کی اور توسیع کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن جب حضرت عثمان نے اس نے از سر نو تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا تو لوگ مخالف ہو گئے وہ چاہتے تھے کہ مسجد عہدِ رسالت ہی کے انداز پر قائم رہے لیکن حضرت عثمان کی دور رَس نگاہیں جان چکی تھیں کہ آنے والے دنوں میں یہ ممکن نہیں رہے گا بعد کے ادوار میں مسجد نبوی کی پختہ تعمیر فتنہ و فساد کا باعث بھی بن سکتا تھا۔ حضرت عثمان خلیفہ راشد تھے۔ وہ اگر مسجد نبوی کی پختہ تعمیر کراتے تو یہ بعد والوں کے بجائے فساد کے ایک مثال بن جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی پختہ تعمیر کے لیے اپنے مال سے کثیر حصہ شامل کیا اور مسجد نبوی نے شاندار انداز میں تعمیر کرایا۔

الحاصل

حضرت عثمان کا اقتصادی تعاون اسلامی ریاست کو روزِ اوّل ہی سے حاصل رہا۔ ریاست کی تعمیر و ترقی میں یہ تعاون انتہائی اہمیت کا باعث رہا۔ اس اقتصادی تعاون کے نتیجے میں جہاں حضرت عثمان جنت الفردوس کے حقدار ٹھہرے وہیں اسلامی ریاست بھی کئی بار مشکل ترین حالات سے بخوبی نبرد آزما ہو سکی۔

حواشی

(۱) سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ سنن النسائی، کتاب الاحباس، باب وقف المساجد

(۲) سنن النسائی، کتاب الاحباس، باب وقف المساجد

(۳) سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ سنن النسائی، کتاب الاحباس، باب وقف المساجد

(۴) سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۵) پیغمبر انسانیت: ۵۹۱، طبع اول ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور

(۶) حضرت عثمان کی جیش عسرہ کے لیے کی گئی اس انفاق کی تمام تر تفصیل الرحیق المختوم سے ماخوذ ہے۔

(۷) بحوالہ سیدنا عثمان بن عفان از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی: ۸۴-۸۵،

بقیہ: جنت الفردوس کا عظیم مہمان

۱۶- جگہ جگہ پانی کی نہریں کھدوائیں۔

۱۷- بحری افواج قائم کیں اور بحری فتوحات بھی آپ کے عہد میں ہوئیں۔

۱۸- مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع پر خاص توجہ فرمائی۔

شہادتِ کبریٰ

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو نبی اکرم ﷺ کے اس محبوب خلیفہ کو ایک عظیم سازش جو کہ درحقیقت اسلامی تاریخ کی سب سے اول اور سب سے عظیم سازش تھی، کے بعد اس عالم میں قتل کر دیا گیا کہ آپ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، کئی دن کے روزے سے تھے اور اپنے گھر میں محصور تھے، گو کہ حضرت حسن اور حضرت حسین سمیت کئی صحابہ کرام آپ کے گھر کے دروازے پر پہرہ بھی دے رہے تھے، لیکن اس کے باوجود بلوائی آپ کے گھر میں پیچھے کی سمت سے داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور عین تلاوت قرآن کی حالت میں خلیفہ وقت اور امیر المومنین کو شہید کر دیا گیا، یہ عظیم سازش جو عبداللہ بن سبا سمیت متعدد منافقین کی سعی کا نتیجہ تھی، در حقیقت صرف حضرت عثمان کے خلاف نہ تھی بلکہ اسلام اور تمام مسلمانوں کے خلاف تھی اور آپ کی شہادت کے بعد وہ دن ہے اور آج کا دن کہ مسلمان تفرقہ اور انتشار میں ایسے گرفتار ہوئے کہ نکل نہ سکے، یہ وہ بات تھی جس کی خبر حضرت عثمان نے ان الفاظ میں دی تھی کہ

" اللہ کی قسم! اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے۔"

آپ کی شہادت پر مدینہ میں ایک عام کہرام مچ گیا، حضرت سعید بن زید نے ارشاد فرمایا کہ

" لوگو! واجب ہے کہ اس بداعمالی پر کوہِ اُحد پھٹے اور تم پر گرے۔"

حضرت انس نے فرمایا:-

" حضرت عثمان جب تک زندہ تھے اللہ کی تلوار نیام میں تھی، اس شہادت کے بعد یہ تلوار نیام سے نکلے گی اور قیامت تک کھلی رہے گی۔"

حضرت ابن عباس نے ارشاد فرمایا:-

" اگر حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ بھی نہ کیا جاتا تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برستے۔"

حضرت علی کو جیسے ہی شہادتِ عثمان کی خبر ملی آپ نے فرمایا:-

" اے اللہ! میں تیرے حضور خونِ عثمان سے بریت کا اظہار کرتا ہوں۔"

ابن کثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان کے پاس جا کر ان پر گر پڑے اور رونے لگے حتی کہ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ بھی ان سے جا ملیں گے۔

امام اعمش اور حافظ ابن عساکر نے صاحبِ اسرار رسول حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

" سب سے پہلا فتنہ حضرت عثمان کا قتل ہے اور سب سے آخری فتنہ خروجِ دجال ہے اور اس ذات کی قسم! میری جان جس کے ہاتھ میں ہے، وہ شخص جس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی حضرت عثمان کے قتل کی حب ہے، اگر اس نے دجال کو پا لیا تو وہ اس کی پیروی کیے بغیر نہیں مرے گا اور اگر اس نے اسے نہ پایا تو وہ اپنی قبر میں اس پر ایمان لائے گا۔"

مولانا محمد یٰسین شاد (ملتان)

ثالث ثلاثہ - سیّدنا عثمان بن عفان شہید رضی اللہ عنہ

۱۹۷۴ء کے آخری حصہ موسم سرما میں مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ ملتان کا سالانہ جلسہ بانی مدرسہ شیخ الحدیث مولانا شمس الحق محدث ملتانی کے زیرِ انتظام منعقد ہوا۔ پہلی رات بعد نمازِ عشاء کی نشست میں معروف خوش بیاں مقرر حافظ عبد الحق صدیقی مرحوم (ساہیوال) خطاب فرما رہے تھے۔ اس وقت حالات پُر امن وسکون تھے، سرکاری و پرائیویٹ گارڈ نہیں ہوتے تھے۔ اثنائے خطاب بذریعہ رقعہ سوال کیا گیا۔ مقرر صاحب نے آغاز میں ہی فرمایا کہ میں رقعہ کے سوالات کے جواب نہیں دیا کرتا کہ سوال کرنے والا صرف سائل ہے تو جواب سن کر خاموش ہو جائے گا اگر علم والا ہے تو میرے ساتھ تکرار کرے گا سائل کھڑا ہو جائے۔ سوال یہ تھا کہ اوّل خلافتِ راشدہ کس کا حق تھا؟ مختصر جواب دیا کہ خلیفہ اوّل سیّد ابو بکر صدیق تھے کیونکہ خاتم النبیّین محمد رسول اللہ ﷺ کے بڑے سسر تھے۔ خلیفہ دوم سیّد عمر بن خطاب چھوٹے سسر تھے۔ خلیفہ سوم (ثالث ثلاثہ) بڑے داماد سیّد عثمان بن عفان ذو النورین تھے۔ خلیفہ چہارم سیّد علی بن ابی طالب چھوٹے داماد تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔ کیسا سادہ و جامع قسم کا جواب دیا۔ غفر اللہ لہ۔

خلافت راشدہ علیٰ منہاج النبوت ہی تھی۔ خلفائے راشدین نے اصحاب رسول ﷺ کی رفاقت ومعاونت سے نظام خلافت مثالی طور پر برقرار رکھا۔ اسلامی طرزِ حکومت سے مراد ومقصود نظام خلافت کا احیاء ہی ہوتا ہے۔

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

ہم ماضی کی روایات کے محافظ وامین ہیں۔ ان کا احیاء ہماری ذمہ داری ہے۔ اکابرِ سلف و صالحین کے طرزِ حیات معاشرت ومعیشت میں اور نظمِ مملکت میں اسوہ رسول ﷺ کا عکس ملتا ہے۔

ذیل میں یہ احقر العباد، پیکرِ حیاء، منبع تحمل، صحابی رسول، اسلامی خلافت راشدہ کے خلیفہ ثالث، اُحد العشرۃ المبشرۃ، سیّد عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ القریشی کی حیات و خدمات اسلامی پر بعض گزارشات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اُحب الصالحین کے اظہارِ عقیدت کا نذرانہ عرض کر رہا ہے۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان کے والد عفان خاندان قریش کے متمول تاجر تھے۔ ان کی وفات ظہور رسالت سے قبل ہوئی تھی۔ والدہ ماجدہ اروىٰ بنت کُریز تھیں جنہیں شرف قبولیت اسلام حاصل ہوا۔ یہ پیغمبر اسلام کے والد سیّد عبد اللہ بن عبد المطلب کی جڑواں بہن ام حکیم بیضاء بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ اروىٰ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

سیّدنا عثمان عام الفیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ اوّلین جماعت اسلام کے شامل ہونے والوں میں سے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق، ام المومنین سیّدہ خدیجہ، زید بن حارثہ کے بعد قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ دعوتِ اسلام حضرت ابو بکر صدیق نے دی تھی۔

مشرف باسلام ہونے کے بعد اہلِ خاندان کے بعض افراد کی جانب سے شدید اذیت برداشت کرنی پڑی وہیں حقیقی خالہ سیّدہ سُعدیٰ بنت کریز نے درج ذیل اشعار سے خراج تحسین پیش کیا۔

هَدَى اللَّهُ عُثْمَانَا بِقَوْلِي إِلَى الْهُدَى
وَأَرْشَدَهُ وَاللَّهُ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ

فَتَابَعَ بِالرَّأْيِ السَّدِيدِ مُحَمَّدًا
وَكَانَ بِرَأْيٍ لَا يَصُدُّ عَنِ الصدقِ

وَأَنْكَحَهُ الْمَبْعُوثُ بِالْحَقِّ بِنْتَهُ
فَكَانَا كَبَدْرٍ مَازَجَ الشمس في الأفقِ

فداؤك يا بن الْهَاشِمِيِّينَ مُهجتي
وَأَنْتَ أَمِينُ اللَّهِ أُرْسِلْتَ للخلقِ

ترجمہ:-

”اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ عثمان کو ہدایت دی۔ حق کی طرف رہنمائی کی اور اللہ تعالیٰ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی صائب رائے کے ساتھ محمد ﷺ کی پیروی کی۔ وہ ایسی سوچ کے حامل تھے جو حق کو قبول کرنے سے نہیں روکتی۔ پھر رسولِ برحق ﷺ نے ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ وہ ایسے ہو گئے جیسے افق میں چاند سورج کے ساتھ گیا ہو۔ اے رسولِ ہاشمی ﷺ! میری جان آپ پر قربان ہو۔ آپ اللہ کے امین ہیں اور مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔“

پیغمبر کی دامادی کا شرف

خاتم النبیّین ﷺ نے اپنی دونوں دختران سیّدہ رقیہ وسیّدہ ام کلثوم کا نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ نے کوہِ صفا پر خاندان قریش کو خطاب فرمایا۔ دعوت توحید پیش کی اور شرک کی مذمت بیان کی۔ عبد العزیٰ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب، معاندین اسلام کا ہراوّل دستہ تھے۔ ابولہب نے کہا "تباً لک یا محمد لهذا جمعتنا" نعوذ باللہ” تیرے لیے ہلاکت ہو کیا ہمیں اسی

لیے جمع کیا تھا۔" اللہ تعالیٰ نے وحی آسمانی کے ذریعے سورہ لہب نازل فرمائی جس میں دونوں کی شدید مذمت ہے۔ اسی بغض و عناد میں ابولہب نے اپنے بیٹوں سے دختران رسول کو طلاق دلوادی۔ (بخاری شریف، تفسیر سورہ لہب)

اس کے بعد سیّدنا عثمان نے کسی ذریعے سے پیغامِ نکاح بھیجا۔ رسول اکرم ﷺ نے اس رشتے کو منظور فرمالیا۔ سیّدہ رقیہ کا نکاح سیّد عثمان سے کر دیا۔ خود ام المومنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہیں رخصت کیا۔ ہجرت کے بعد مدینۃ الرسول میں بوجہ علالت سیّدہ رقیہ کی وفات ہوئی۔ پھر ام کلثوم کی شادی سیّد عثمان سے کر دی گئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت محمد ﷺ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش میری اور دختر ہوتی تو اسے بھی عقدِ عثمان میں دے دیتا۔ اسی وجہ سے ذوالنورین کے لقب سے ممتاز ہوئے۔

مہاجرِ اوّل ہونے کا شرف

اوّل مہاجر ہونے کا شرف بھی حضرت عثمان کو ملا۔ اوّلین ہجرت حبشہ میں جو قافلہ مہاجرین تھا اس میں سیّد عثمان اور ان کی زوجہ محترمہ دختر رسول سیّدہ رقیہ بھی شامل تھے۔ پھر یثرب مدینہ طیبہ ہجرت نبوی کے بعد سیّد عثمان اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے آئے۔ (امام شوکانی کی تفسیر سورۃ النحل آیت ۴۱ ملاحظہ ہو)

بئر رومہ

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے لیے پینے کے پانی کی شدید قلت تھی۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے سیدنا عثمان نے بئر رومہ خرید کر وقف کیا۔

آج بھی بئر رومہ مدینہ منورہ کی میونسپلٹی کے زیرِ انتظام ہے۔ اس کا الیکٹرک میٹر بھی حضرت عثمان کے نام پر ہے۔ وہاں کھجوروں کے درخت ہیں۔ جس کی ساری آمدنی اوّلاً حضرت عثمان کے نام پر قائم بینک اکاؤنٹ میں جمع کی جاتی ہے پھر رفاہ عامہ کے کاموں میں استعمال کی جاتی ہے۔ (ہفت روزہ "ایشیاء" لاہور، ۱۴ جولائی ۲۰۱۶ء)

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان

سیّدنا و ھادینا محمد رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ خانہ کعبہ کی چابی لی۔ سب نے طواف کیا اور عمرہ کی ادائیگی کی۔ جب اصحاب رسول ﷺ نے سنا تو زیارت کعبہ کی امید و امنگ پیدا ہوئی۔ زائرین حرم کعبہ چودہ سو تھے۔ قیادت پیغمبر اسلام نے کی۔ یکم ذیقعد ۶ ھ کو روانہ ہوئے۔ قرآن حکیم میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:-

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (الفتح: ۲۷)

"تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو سچ کے ساتھ خواب دکھلایا، البتہ داخل ہوگے تم مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا۔"

سب سے پہلے قافلہ حجاز زائرینِ حرم مضافات مقام حدیبیہ ٹھہرا۔ بحمدللہ ۲۰۱۲ء ماہِ مارچ کے آخر میں میر کارواں الشیخ عبد الرب فیض اللہ استاذ تفسیر دار الحدیث الخیریۃ مکہ مکرمہ کے ہمراہ یہ مقام دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

قافلہ اسلامی حدیبیہ میں ٹھہرا تھا۔ خراش بن امیہ خزاعی ثعلب نامی نبوی اونٹ لے کر مکہ گئے۔ قریش نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اور خود خراش کو قتل کرنا چاہا حسنِ اتفاق سے احابش حلیف قبائل نے انہیں قاتلین سے بچایا۔ خراش نے واپس آ کر روداد ظلم و ستم سنائی۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر سورہ فتح، زاد المعاد، سیرت ابن ہشام، سیرت عثمان بن عفان از ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی)

مشاورت کے بعد سیّد عثمان کو سفارت نبوی کے لیے منتخب کیا گیا اور انہیں سفیر رسول کا اعزاز ملا۔ مکہ تشریف لے گئے اعیان مکہ نے انہیں تنہا عمرہ و طواف کعبہ کی اجازت دی لیکن آپ نے بغیر قیادت نبوی تنہا عمرہ و طواف کرنا گوارا نہ کیا۔ مذاکرات میں تاخیر کی وجہ سے جلد واپسی نہ ہو سکی، افواہِ قتل گردش کرنے لگی۔ قصاص سیّدنا عثمان کے لیے ہی ببول کے درخت کے نیچے ہوئی بیعت رضوان ہوئی۔ قرآن کے الفاظ میں انہیں اصحاب الشجرۃ کا لقب ملا۔

اعزازِ شہادت

سیّدنا انس روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمراہ سیّد ابوبکر، سیّد عمر و سیّد عثمان رضی اللہ عنہم اُحد پہاڑ پر چڑھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

"فليس عليك الا نبی و صديق و شهيدان۔" (رواہ البخاری باب مناقب عثمان)

"تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔"

یہ پیشگی شہادت کی اطلاعِ نبوی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ سیّد عثمان بن عفان شہید کی مظلومانہ شہادت ہے۔ ان کی شہادت سے فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ تحريف الغالين و انتحال المبطلين و تأويل الجاهلين رواه البيهقی

غالیوں کی تحریفات، باطل پرستوں کی غلط باتیں اور جاہلوں کی تاویلیں راسخ العلم علماء مٹا کر ختم کر دیں گے۔ خلیفہ سوم کی مظلومانہ شہادت کے بعد شقی قسم کے لوگ تنقید و تنقیص کر کے اپنے نامہ اعمال کو برباد کرتے ہیں۔

ایمان اصحاب ثلاثہ

"کشف الغمۃ عن أحوال الائمۃ" مطبوعہ ایران میں ہے کہ امام زین العابدین کی خدمت میں چند عراقی آئے۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے حق میں ناجائز کلمات کہنے لگے۔ امام صاحب موصوف نے فرمایا کہ تم مہاجر ہو؟ نہیں۔ پھر فرمایا: تم انصار ہو؟ نہیں۔ اس پر فرمایا تم نے تو اقرار کیا کہ ہم دونوں میں سے نہیں ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بہ وجہ بدگوئی ان حضرات میں سے بھی نہیں ہو یعنی مومنین کی تیسری قسم میں سے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:-

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الحشر: ۱۰)

بقیہ صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ کریں

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان عظیم المرتبت انسانوں میں سے ایک ہیں جن کی زندگی حسنِ ظاہر اور جمالِ باطن کی آئینہ دار تھی۔ اللہ رب العزت نے انہیں جو زندگی عطا کی اس کا لمحہ لمحہ تقدس کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ تاہم ان کی مبارک زندگی کی مدت کس قدر طویل تھی اس میں اہل سیر و تاریخ میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مدت حیات سے متعلق ۶۳، ۷۵، ۸۲، ۸۴، ۸۶، ۸۸، ۹۰ برس کے اقوال پائے جاتے ہیں۔

ابو جعفر محمد بن حبیب البغدادی (م ۲۴۵ھ) پہلے مؤرخ ہیں جنہوں نے بوقتِ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حتمی عمر ۸۲ برس لکھی۔ ان کے الفاظ ہیں: -

"و قتل و هو ابن اثنتين و ثمانين سنة۔"(۱)

گو امام حافظ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے "الإصابة" میں لکھا ہے: -

"ولد بعد الفيل بست سنين على الصحيح۔" (۲)

"صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت عام الفیل کے چھٹے سال ہوئی۔"

لیکن حافظ نے اپنے وجوہات ترجیح بیان نہیں کیے۔

اسی طرح علامہ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی (م ۴۶۳ھ) نے "الاستيعاب" میں اور علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (م ۹۱۱ھ) نے "تاريخ الخلفاء" میں لکھا ہے: -

"ولد في السنة السادسة من الفيل۔"(۳)

بعینہ ہمارے ایک مشہور فاضل معاصر مؤرخ علی محمد محمد الصلابی (مولود ۱۹۶۳ء) نے بھی حافظ ابن حجر کے تتبع میں لکھا ہے: -

"ولد في مكة بعد عام الفيل بست سنين على الصحيح۔ و قيل: ولد في الطائف، فهو أصغر من رسول الله - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بنحو خمس سنين۔" (۴)

"صحیح قول کے مطابق آپ عام الفیل کے چھٹے سال مکہ میں پیدا ہوئے، یہ بھی کہا گیا کہ آپ کی ولادت طائف میں ہوئی، آپ رسول اللہ ﷺ سے تقریباً ۵ برس چھوٹے تھے۔"

اس اعتبار سے بوقت شہادت حضرت عثمان کی عمر ۸۲ برس بنتی ہے۔ تاہم یہ تمام حضرات (سوائے ابن حبیب بغدادی کے) جنہوں نے عام الفیل کے چھٹے سال حضرت عثمان کی ولادت کو ترجیح دی ہے، متاخر ہیں۔ انہوں نے اختلاف سنین کی مختلف روایات کو یکسر نظر انداز کر دیا اور اپنی وجوہات ترجیح بھی بیان نہیں کیں۔

اس کے برعکس سلف کا عمومی روّیہ یہ رہا کہ انہوں نے مختلف اقوال پیش کر دیئے اور از خود کوئی رائے دینے سے گریز کیا۔

اس سلسلے کی پہلی کتاب - جسے فن تاریخ میں خاص امتیازی مقام حاصل ہے، بالخصوص کثرت اقوال کے اعتبار سے - ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری (م ۳۱۰ھ) کی "تاريخ الرسل و الملوك" ہے۔ جسے "تاریخ طبری" بھی کہا جاتا ہے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت حیات سے متعلق تمام اقوال پیش کر دیئے اور اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ اس پر سلف سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ حضرت عثمان کی سوانح میں "ذكر الخبر عن قدر مدة حياته" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں: -

"اختلف السلف قبلنا فِي ذَلِكَ، فَقَالَ بعضهم: كَانَتْ مدة ذَلِكَ اثنتين و ثمانين سنة۔

ذكر من قَالَ ذلك:

حدثني الحارث، قَالَ: حدثنا ابن سعد، قال: أخبرنا محمد بن عُمَرَ، أن عُثْمَان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قتل وَ هُوَ ابن اثنتين و ثمانين سنة۔

قَالَ مُحَمَّد بن عمر: و حدثني الضحاك بن عثمان، عن مخرمة بن سُلَيْمَانَ الوالبي، قَالَ: قتل عُثْمَان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ هُوَ ابن اثنتين و ثمانين سنه۔

قَالَ مُحَمَّد: وَ حَدَّثَنِي سعد بن راشد عن صالح بن كيسان، قَالَ: قتل عُثْمَان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ هُوَ ابن اثنتين و ثمانين سنة و أشهر۔

وَ قَالَ آخرون: قتل وَ هُوَ ابن تسعين أو ثمان و ثمانين۔

ذكر من قَالَ ذَلِكَ:

حدثت عن الْحَسَن بن مُوسَى الأشيب، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هلال، عن قَتَادَة: أن عُثْمَان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قتل وَ هُوَ ابن تسعين أو ثمان و ثمانين سنة۔

وَ قَالَ آخرون: قتل وَ هُوَ ابن خمس و سبعين سنة، وَ ذَلِكَ قول ذكر عن هِشَام بن مُحَمَّد۔

وَ قَالَ بعضهم: قتل وَ هُوَ ابن ثلاث و ستين، و هذا قول نسبه سيف بن عُمَرَ إِلَى

جماعة كَتَبَ إِلَيَّ السَّرِيُّ، عَنْ شُعَيْبٍ، عن سيف، أن أبا حَارِثَةَ و أبا عُثْمَان و محمدا وَ طَلْحَة، قَالُوا: قتل عُثْمَان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ هُوَ ابن ثلاث و ستين سنة۔

وَ قَالَ آخرون: قتل وَ هُوَ ابن ست و ثمانين۔

ذكر من قَالَ ذَلِكَ:

حدثني محمد بن موسى الحرشي، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ:

حَدَّثَنِي أبي، عن قَتَادَة، قَالَ: قتل عُثْمَان رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَ هُوَ ابن ست و ثمانين۔"(۵)

اس اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدت حیات سے متعلق متعدد اقوال پائے جاتے ہیں ان مختلف اقوال میں سے بیشتر کے قائلین کا ذکر بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔

امام ابو محمد علی بن احمد ابن حزم ظاہری اندلسی (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:-

"و اختلف في سنه ما بين ثلاث و ستين إلى تسعين سنة۔" (۶)

"ان کی عمر میں اختلاف پایا جاتا ہے جو ۶۳ سے لے کر ۹۰ برس تک ہے۔"

بعد کے ادوار میں بعض مؤرخین نے ان اقوال کو درج کر دیا اور بعض نے اپنے ذوق اور تأثر کے مطابق ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار کر لیا۔

مثلاً علامہ محمد بن علی ابن العمرانی (م ۵۸۰ھ) نے "الإنباء في تاريخ الخلفاء" میں ۹۰ برس کو ترجیح دی ہے۔(۷)

بعض نے محض چند اقوال نقل کرنا ضروری سمجھا۔ جیسے امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) اپنی مشہور کتاب "المنتظم" میں لکھتے ہیں:-

"و كان عمر عثمان اثنتين و ثمانين سنة و أشهرا۔ و قيل ثلاثا و ثمانين۔ و قيل: ستا و ثمانين۔ و قيل ثمانيا و ثمانين۔" (۸)

یہی روش امام ابو الحسن علی بن ابی الکرم عز الدین ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) کی رہی۔ "الکامل" میں لکھتے ہیں:-

"وَ كَانَ عُمُرُهُ اثْنَتَيْنِ وَ ثَمَانِينَ سَنَةً، وَ قِيلَ: ثَمَانِيًا وَ ثَمَانِينَ سَنَةً، وَ قِيلَ: تِسْعِينَ سَنَةً، وَ قِيلَ: خَمْسًا وَ سَبْعِينَ سَنَةً، وَ قِيلَ: سِتًّا وَ ثَمَانِينَ سَنَةً۔" (۹)

اس کے برعکس امام ابو الفداء اسماعیل بن عمر ابن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ) نے طبری ہی کی روش اختیار کرتے ہوئے تمام اقوال پیش کیے۔ ان کے الفاظ ہیں:-

"فَأَمَّا عُمُرُهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ جَاوَزَ ثِنْتَيْنِ وَ ثَمَانِينَ سَنَةً، وَ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: توفى عن ثنتين و ثمانين سنة و أشهر، و قيل: أربع و ثمانون سنة، و قال قتادة: توفى عَنْ ثَمَانٍ وَ ثَمَانِينَ أَوْ تِسْعِينَ سَنَةً. وَ فِي رِوَايَةٍ عَنْهُ تُوُفِّيَ عَنْ سِتٍّ وَ ثَمَانِينَ سَنَةً. وَ عَنْ هِشَامِ بْنِ الْكَلْبِيِّ: تُوُفِّيَ عَنْ خَمْسٍ وَ سَبْعِينَ سَنَةً، وَ هَذَا غَرِيبٌ جِدًّا، وَ أَغْرَبُ مِنْهُ مَا رَوَاهُ سَيْفُ بْنُ عُمَرَ عَنْ مَشَايِخِهِ، وَ هُمْ مُحَمَّدٌ وَ طَلْحَةُ وَ أَبُو عُثْمَانَ وَ أَبُو حَارِثَةَ أَنَّهُمْ قَالُوا: قُتِلَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ ثَلَاثٍ وَ سِتِّينَ سَنَةً۔" (۱۰)

گو ابن کثیر نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے ساتھ ہی ۷۵ اور ۶۳ برس کی روایت کو غریب قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم ان کے پیشِ نظر ان روایت کی غرابت کا کیا قرینہ تھا۔

تاہم ہمارے خیال سے ۸۲ برس اور اس سے زیادہ عمر کی روایات درایتاً درست نہیں۔ چند نکات ملاحظہ کیجیے:-

★- حضرت عثمان نے ۸ نکاح کیے اور سب کے سب نکاح عہدِ اسلام میں کیے۔ علی محمد محمد الصلابی کے الفاظ ہیں:-

"تزوج عثمان - رضي الله عنه - ثماني زوجات كلهن بعد الإسلام۔" (۱۱)

ان کا پہلا نکاح رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ ۸۲ برس کی روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو حضرت عثمان، رسول اللہ ﷺ سے صرف ۵ برس چھوٹے اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے خاصے بڑے ثابت ہوں گے۔ بوقت نکاح و رخصتی بھی ان کی عمر تقریباً ۳۸ سال بنتی ہے۔ اس عہد کی معاشرت سے یہ بعید ہے کہ اتنی بڑی عمر تک حضرت عثمان رشتہ ازدواج میں منسلک نہ ہوئے ہوں۔ ایسا امکانات کی دنیا میں تو ممکن ہے تاہم اس عہد کا عرف اس سے مطابقت نہیں رکھتا۔

★- روایات میں آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ قبول اسلام کی پاداش میں حضرت عثمان کو رسیوں سے جکڑ دیا کرتے تھے اور اسلام چھوڑنے کے لیے اذیت دیا کرتے تھے لیکن حضرت عثمان کے پائے استقامت میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔(۱۲)

۸۲ برس کی روایت کو درست مانا جائے تو قبول اسلام کے وقت حضرت عثمان کی عمر ۳۴ برس بنتی ہے کیا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس عمر کے شخص کو جو خود مختار اور مکہ کا رئیس تاجر بھی ہو رسیوں سے جکڑ کر اذیت دی جائے۔

★- حضرت عثمان اور سیدہ رقیہ دنیا کا حسین ترین جوڑا تھا۔ حضرت عثمان بڑے خوبصورت اور وجیہ تھے اور سیدہ رقیہ بھی انتہائی حسین و جمیل تھیں۔ ان کے رشتہ ازدواج سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ ان کے رشتے پر یہ شعر اصحاب کرام کی زبانوں پر تھا:-

أحسن زوجين رآهما إنسان
رقية، و زوجها عثمان(۱۳)

ایک مثالی جوڑے کے لیے جہاں حسن و جمال کی یکسانیت ضروری ہے وہیں قریب العمری بھی عین مناسب ہے۔ عمر کا غیر معمولی تفاوت موجود ہو تو رشتے کو مثالی نہیں کہا جا سکتا۔ بعثت نبوی ﷺ کے چوتھے سال یہ رشتہ تزویج عمل میں آیا۔ اس وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی عمر بعض روایت کے مطابق ۱۱ برس اور بعض کے مطابق ۱۴ برس تھی۔ ۸۲ برس کی روایت کو درست مانا جائے تو حضرت عثمان کی عمر اس

وقت ۳۸ سال بنتی ہے۔

★- ۸۲ برس کی روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو بوقت خلافت حضرت عثمان کی عمر تقریباً ۶۹ برس بنتی ہے۔ یہ ضعیف العمری انتخاب خلافت کی راہ میں بھی حائل ہوتی۔ جب کہ ہم دیکھتے کہ حضرت عثمان کے انتخاب کے وقت بے اختیار نگاہیں ان کی جانب اٹھتی ہیں۔

علامہ تمنا عمادی کا قیاس ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر بوقت شہادت ۶۳ برس تھی۔ وہ لکھتے ہیں:-

"ہمارے نزدیک قرائن کے مطابق وہ روایت صحیح ہے جس کی رو سے شہادت کے وقت حضرت عثمان تریسٹھ سال کے تھے (طبری)۔ یعنی بعثت کے وقت پندرہ سال کے۔ شادی کے وقت ۱۹ سال کے۔ ہجرت نبوی کے وقت ۲۸ سال کے تھے اور حضرت علی سے عمر میں آٹھ دس سال بڑے تھے۔ اگر افواہی روایت کو مانا جائے تو وہ حضرت عمر سے بڑے اور رسول اللہ ﷺ کے قریب العمر نظر آتے ہیں اور حضرت رقیہ سے شادی کے وقت ۳۸ سال کے بنتے ہیں۔ کیا اس عمر کے کاروباری ادھیڑ عمر شخص کو اس کا چچا رسیوں سے باندھ دیتا تھا اور مختلف سزائیں دیتا تھا؟ ہاں ہماری تحقیق کے مطابق اسلام قبول کرتے ہوئے ان کی عمر ۱۵ سال تھی۔ اس عمر کے ابھرتے نوجوانوں پر گھر کے بڑے بوڑھے شدت کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے۔" (۱۴)

عین ممکن ہے کہ علامہ تمنا کا قیاس درست ہی ہو۔ ویسے بھی حضرت عثمان کی سیرت و سوانح کو بیان کرتے وقت تحقیق و درایت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ محض ایک روایت کو بعد ادوار میں شہرت و رواج پا جانے کی بنا پر قبول کرنا اور بقیہ روایات سے یکسر نگاہیں پھیر لینا درست طرزِ عمل نہیں۔

اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ۶۳ برس کی روایت کوئی مجہول روایت نہیں بلکہ اسے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

هذا ما عندي و العلم عند الله۔

حواشی

(۱) المحبر: ص ۱۶، تحقيق: إيلزة ليختن شتيتر، الناشر: دار الآفاق الجديدة، بيروت

(۲) الإصابة في تمييز الصحابة، ج ۴، ص ۳۷۷، تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود و على محمد معوض، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة: الأولى ۱۴۱۵ھ

(۳) الاستيعاب في معرفة الأصحاب: ص ۱۰۳۷، تحقيق: علي محمد البجاوي، الناشر: دار الجيل، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۲ھ۔ تاريخ الخلفاء: ص ۱۱۸، تحقيق: حمدي الدمرداش، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة: الطبعة الأولى: ۱۴۲۵ھ

(۴) تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان رضي الله عنه - شخصيته و عصره: ۱۴، الناشر: دار التوزيع و النشر الإسلامية، القاهرة - مصر، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۳ھ

(۵) تاريخ الرسل و الملوك: ج ۴، ص ۴۱۷-۴۱۸، الناشر: دار التراث - بيروت، الطبعة: الثانية، ۱۳۸۷ھ

(۶) رسائل ابن حزم الأندلسي: ج ۲، ص ۱۳۸، تحقيق: إحسان عباس، الناشر: المؤسسة العربية للدراسات و النشر بيروت ۱۹۸۷ء

(۷) الإنباء في تاريخ الخلفاء: ۴۸، تحقيق: قاسم السامرائي، الناشر: دار الآفاق العربية، القاهرة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ

(۸) المنتظم في تاريخ الأمم و الملوك: ج ۵، ص ۵۹، تحقيق: محمد عبد القادر عطا، مصطفى عبد القادر عطا، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۲ھ

(۹) الكامل في التاريخ: ج ۲، ص ۵۴۵، تحقيق: عمر عبد السلام تدمري، الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۷ھ

(۱۰) البداية و النهاية: ج ۷، ص ۱۹۰، الناشر: دار الفكر بيروت، عام النشر: ۱۴۰۷ھ

(۱۱) تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان رضي الله عنه - شخصيته و عصره: ۱۴، الناشر: دار التوزيع و النشر الإسلامية، القاهرة - مصر، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۳ھ

(۱۲) التمهيد و البيان في مقتل الشهيد عثمان: ص ۲۱، المؤلف: أبو عبد الله محمد بن يحيى الأشعري المالقي الأندلسي (م ۷۴۱ھ)، تحقيق: دكتور محمود يوسف زايد، الناشر: دار الثقافة - الدوحة - قطر، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۵ھ

(۱۳) الإصابة في تمييز الصحابة، ج ۸، ص ۱۷۸، تيسير الكريم المنان في سيرة عثمان بن عفان رضي الله عنه، ص ۱۹، رحمۃ للعالمین ﷺ: ج ۲، ص ۱۰۷-۱۰۸، مصنف: قاضی سلیمان سلمان منصور پوری، ناشر: مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور

(۱۴) آخری نبی کی دو شریک حیات: سیدہ خدیجۃ الکبریٰ و سیدہ عائشہ صدیقہ: ۳۰، ناشر: الرحمٰن اسلامک سینٹر کراچی

دعائے مغفرت

مولانا عبد الرحیم اظہر ڈیروی کے ماموں مولانا مشتاق احمد ڈیروی رحمہ اللہ کی اہلیہ گزشتہ دنوں انتقال کر گئیں۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

مشاہیر عثمانی

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد و احفاد کا تذکرہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۸ نکاح کیے۔ یہ تمام رشتے بعد از قبولِ اسلام بنے۔ پہلا نکاح سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادے عبداللہ پیدا ہوئے جنہوں نے ۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔ سیّدہ رقیہ کی وفات کے بعد ان کا دوسرا نکاح ان کی بہن سیّدہ ام کلثوم سے ہوا۔ انہوں نے لاولد وفات پائی۔ ان کی وفات سے حضرت عثمان بہت مغموم ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کے عقد میں دے دیتا۔

حضرت عثمان نے ایک نکاح فاختة بنت غزوان بن جابر بن نسیب بن وہیب بن زید بن مالک ابن عبد بن عوف بن الحَارِث بن مازن بن مَنْصُور بن عِكْرِمَة بن خصفة بن قيس بن عيلان بن مضر سے کیا۔ ان سے ایک صاحبزادے عبداللہ الاصغر پیدا ہوئے۔

حضرت عثمان کی ایک اہلیہ ام عَمْرو بنت جندب بن عَمْرو بن حممة بن الحَارِث بن رفاعة بن سَعْدِ بْنِ ثعلبة بن لؤی بن عامر بن غنم بن دہمان بن منہب بن دوس تھیں۔ یہ قبیلہ بنی الازد سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان سے ان سے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم پیدا ہوئے۔

حضرت عثمان کی ایک زوجہ مکرمہ فاطمة بنت ولید بن عبد شمس بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھیں۔ یہ قریش کی شاخ بنو مخزوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان سے ولید، سعید اور ام سعید پیدا ہوئے۔

حضرت عثمان کی ایک اہلیہ ام البنین بنت عُيَيْنَة بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری تھیں۔ جن سے ایک صاحبزادے عبد الملک پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق ام البنین سے حضرت عثمان کے ایک بیٹے عتبہ بھی پیدا ہوئے۔

حضرت عثمان کی ایک اہلیہ رملة بنت شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں۔ یہ بنو امیہ سے تھیں۔ ان سے تین بیٹیاں عائشہ، ام ابان اور ام عمرو پیدا ہوئیں۔

حضرت عثمان کی ایک زوجہ مکرمہ نائلہ بنت الفُرَافِصَة بن الاحوص بن عَمْرو بن ثعلبہ بن الحارث بن حصن بن ضمضم بن عدی بن جناب بن کلب تھیں۔ یہ بنو کلب سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں تاریخ میں نمایاں شہرت حاصل ہے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے وقت یہ وہاں موجود تھیں اور حضرت عثمان کو بچاتے ہوئے ان کی انگلیاں شہید ہوگئیں تھیں۔ ان سے ایک بیٹی مریم پیدا ہوئیں۔ ایک روایت کے مطابق نائلہ بنت فرافصة سے ایک بیٹا عنبسة بھی پیدا ہوا۔

طبری کے مطابق شہادت عثمان کے وقت ان کے عقد میں چار زوجات مکرمات تھیں: رملة بنت شیبہ، نائلہ بنت الفرافصہ، ام البنین بنت عیینہ اور فاختہ بنت غزوان۔ ایک روایت کے مطابق ایام محصوری میں حضرت عثمان نے ام البنین کو طلاق دے دی تھی۔

حضرت عثمان کے ۹ صاحبزادے تھے۔ جو پانچ زوجات سے پیدا ہوئے۔

عبداللہ، جن کی والدہ سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ تھیں۔ جو بچپن میں وفات پا گئے۔ عبد اللہ الاصغر، جن کی ماں فاختة بنت غزوان تھیں۔ عمرو، خالد، ابان اور عمر، اُم عمرو بنت جندب کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ولید اور سعید، جو فاطمة بنت الولید بن عبد شمس بن المغیرة المخزومیة سے پیدا ہوئے۔ سعید، حضرت معاویہ اور عبد الملک کے عہد میں خراسان کے گورنر بھی رہے۔ عبد الملک، جن کی ماں اُم البنین بنت عیینة تھیں، جنہوں نے بچپن میں وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق نائلة بنت الفرافصة نے حضرت عثمان کے ایک صاحبزادے عنبسة کو جنم دیا۔ اگر یہ روایت درست ہے تو حضرت عثمان کے صاحبزادوں کی تعداد ۱۰ ہوجاتی ہے۔

حضرت عثمان غنی کی اولاد و احفاد میں اللہ نے بڑی برکت دی۔ بنو امیہ کا افتخار حضرت عثمان تھے۔ اور انہیں کی نسل بنو امیہ کی یادگار میں اپنی شناخت رکھتی ہے۔ ان کے نسل سے علماء، فضلاء، محدثین وفقہاء پیدا ہوئے۔ گو یہ تعداد بہت وسیع ہے جن کا استقصاء ممکن نہیں تاہم ذیل میں چند مشاہیر عثمانی کا ذکر خیر پیشِ خدمت ہے۔

عمرو بن عثمان

یہ اُم عمرو بنت جندب کے بطن سے تھے۔ اپنے والد حضرت عثمان اور حضرت اسامہ بن زید سے حدیث روایت کرتے تھے۔ خود ان سے علی بن الحسین، سعید بن المسیب اور اَبو الزنّاد نے روایت کیا۔ ان کی شادی رملة بنت معاویة بن اَبی سفیان سے ہوئی۔ ۸۰ھ میں وفات پائی۔

ابان بن عثمان

اَبان بھی اُم عمرو بنت جندب کے بطن سے تھے۔ یہ اپنے عہد میں فقہ اور سیرت کے امام تھے۔ حضرت عثمان کے صاحبزادوں میں سب سے زیادہ شہرت انہیں کو ملی۔ اپنے والد اور حضرت زید بن ثابت سے روایت کرتے تھے۔ عبد الملک بن مروان کے عہد میں سات برس مدینہ کے والی رہے۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

ابن اَبی الرَّبیع

عبید اللہ بن اَحمد بن عبید اللہ، ابن اَبی الربیع

العثمانی الاشبیلی، اپنے زمانہ میں فن صرف ونحو کے امام تھے۔ اشبیلیہ (اندلس) سے تعلق تھا۔ ۵۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ صرف ونحو پر متعدد ضخیم کتابیں لکھیں۔ ۶۸۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ جلال الدین پانی پتی کبیر الاولیاء

شیخ جمال الدین محمد بن محمود عثمانی اپنے عہد کے مشاہیر علماء و اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ کبیر الاولیاء کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان سے شیخ احمد عبد الحق ردولوی نے اخذ علم و استفادہ کیا۔ شیخ جمال الدین نے ۷۶۵ھ میں پانی پت میں وفات پائی۔

ابو بکر المراغی

زین الدین ابو بکر بن حسین بن عمر العثمانی المصری الشافعی المراغی، ۷۲۷ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ فقہ و تاریخ پر درک رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کی۔ وہیں ۸۱۶ھ میں وفات پائی۔

تصانیف میں "تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ" (مدینہ منورہ کی تاریخ) اور "روائح الزہر" (سیرت النبی میں) کا ذکر ملتا ہے۔

علامہ محمد افضل جونپوری

علامہ کبیر محمد افضل بن محمد حمزہ بن محمد سلطان ابن فرید الدین بن بہاء الدین عثمانی جونپوری، اپنے اقران و اماثل میں استاذ الملک کے لقب سے معروف تھے۔ ۹۷۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی اقامت اودھ کے ایک مقام ردولی میں تھی۔ تکمیلِ علم کے بعد جون پور میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ یہیں مسند تدریس آراستہ کی۔ کبارِ علماء نے ان سے اخذ علم کیا۔ جن میں ملا محمود جون پوری صاحبِ الشمس البازغۃ اور شیخ محمد رشید جون پوری صاحب الرشیدیۃ قابل ذکر ہیں۔ ۱۰۶۲ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری

شیخ علامہ محمد رشید بن محمد مصطفی بن عبد الحمید عثمانی جونپوری اپنے عہد میں فقہ، اصول اور تصوف کے امام تھے۔ ۱۰۰۰ھ میں جون پور کے اطراف میں واقع ایک مقام برونہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ شیخ نور الدین بن عبد القادر صدیقی برونوی کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح والدہ کی جانب سے صدیقی تھے۔

علم حدیث میں شیخ نور الحق بن عبد الحق دہلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد افضل جون پوری سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا۔ تکمیل کے بعد ایک مدت تک درس و افادہ کا سلسلہ جاری رکھا اور ایک خلقِ کثیر نے ان سے استفادہ کیا۔ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ان کی مشہور کتاب فن مناظرہ میں الرشیدیۃ ہے، جسے بڑی مقبولیت ملی۔ عرصہ تک داخلِ نصاب رہی۔ شیخ محمد رشید نے ۱۰۸۳ھ میں وفات پائی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

قاضی ثناء اللہ محدث عثمانی پانی پتی، شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی کی نسل سے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حدیث وفقہ کی تحصیل کی۔ مرزا مظہر جاں جاناں دہلوی سے اخذ علم وطریقت کیا۔ تقویٰ و صالحیت میں اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ فقہ وحدیث میں ان کے تبحر علمی کی وجہ سے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی انہیں "بیہقی وقت" کہا کرتے تھے۔ فقہ و اصول میں مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔

تصانیف میں "تفسیر مظہری" ان کی مشہور تصنیف ہے، دیگر کتابوں میں "مالا بدمنہ"، "السیف المسلول"، "اِرشاد الطالبین"، "تذکرۃ الموتیٰ والقبور" وغیرہا شامل ہیں۔ ۱۲۲۵ھ میں پانی پت میں وفات پائی۔

قاضی بشیر الدین قنوجی

قاضی بشیر الدین بن کریم الدین محدث عثمانی قنوجی اپنے عہد کے مشاہیر علماء تدریس وتصنیف میں سے تھے۔ ۱۲۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ معقول ومنقول دونوں کے جامع تھے۔ اپنے عہد کے کبار علماء سے منطق و معقولات کی تحصیل کی۔ مولانا رحیم الدین بخاری قنوجی اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے حدیث وتفسیر پڑھی۔

مسند تدریس آراستہ کی اور ان سے کبارِ علماء سے اخذ علم کیا۔ جن میں علامہ شمس الحق عظیم آبادی صاحبِ "عون المعبود"، مولانا سید امیر علی ملیح آبادی صاحب "تفسیر مواہب الرحمٰن"، سید امیر حسن سہسوانی، علامہ وحید الزمان لکھنوی وغیرہم شامل ہیں۔ تصانیف میں "کشف المبہم شرح علیٰ مسلم الثبوت"، "تفہیم المسائل"، "الصواعق الالٰہیۃ"، "غایۃ الکلام" وغیرہا مشہور ہیں۔ ۱۲۹۶ھ میں بھوپال میں وفات پائی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی

مولانا رحمت اللہ بن خلیل اللہ بن نجیب اللہ بن حبیب اللہ ابن عبد الرحیم بن قطب الدین عثمانی کیرانوی، شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء عثمانی پانی پتی کی نسل سے تھے۔ فن مناظرہ وکلام میں مشہور زمانہ تھے۔ ۱۲۳۳ھ میں مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ فن مناظرہ میں انہیں یدطولیٰ حاصل تھا۔ عیسائیوں سے متعدد مناظرے کیے اور فتح یاب ہوئے۔ "اظہار الحق" ان کی مشہور زمانہ تصنیف ہے۔ جس میں اثبات نبوت محمدی اور عقیدہ تثلیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ دیگر کتابوں میں "اِزالۃ الاوہام"، "ازالۃ الشکوک"، "اعجاز عیسوی"، "اَصح الاحادیث فی اِبطال التثلیث" وغیرہا شامل ہیں۔

مولانا رحمت اللہ نے ہندوستان کی سکونت ترک کر کے مکہ مکرمہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ ۱۲۹۰ھ میں مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی۔ آج بھی یہ مدرسہ اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ مولانا نے رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور بقیع المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

مفتی عزیز الرحمن عثمانی

مفتی عزیز الرحمن بن فضل الرحمن عثمانی دیوبندی ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ انہیں مختلف اساتذہ سے کسب علم کا موقع ملا۔ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی سے سند حدیث حاصل کی۔ وہ دار العلوم دیوبند کی مسند تدریس و افتاء پر فائز تھے۔ دار العلوم دیوبند کے مفتیانِ کرام میں انہیں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ ۱۳۴۷ھ میں وفات پائی۔

قاری محی الاسلام عثمانی پانی پتی

قاری ابو محمد محی الاسلام بن قاضی مفتاح الاسلام عثمانی، اپنے عہد میں فن قرأت کے ماہر عالم تھے۔

بقیہ صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ کریں

وأصدقهم حياء عثمان رضي الله عنه

The Noble Qualities of Hazrat Usman (r)

A synoptic view

By Muhammad Alamgeer

Hazrat Usman bin Affan (r), one of the top-most Companion of Rasulullah (s) was born in Makkah 47 years before the Hijrah. Of noble lineage, wealthy and extremely handsome, he accepted Islam at the hands of Abu Bakr (r) shortly after the Nubuwwah (Prophethood) of Rasulullah (s). He was thus among those people regarding whom Allah has declared: "Allah was pleased with them and they with Him." He was also honoured with being a scribe of Wahy (Revelation) for Rasulullah (s). He was the third Khalifa of Islam and one among the Ashara Mubashshara, the ten Companions who received the good news from Nabi Muhammad (s) that they would enter Jannah. He was one of the chief counsellors and sincere confidants of the previous two khalifas, Abu Bakr (r) and Umar (r).

Zun Nurayn

The level of Usman (r)'s intimacy with Rasulullah (s) can be measured from the fact that Rasulullah (s) gave two of his daughters, Ruqayyah and Umm Kulthoom (r) in marriage to him at different times, without him making a request. He was therefore called Zun Nurayn, one honoured with Two Lights. After both these daughters passed away, Rasulullah (s) said that if he had any more daughters, he would have given them in marriage to Usman (r).

Hijrah and Sacrifice

At the height of Muslim persecution by the Quraysh, Usman (r) migrated twice from Makkah to Abysinnia. He participated in all the battles with Rasulullah (s) except Badr, when he had to stay behind to tend to his sick wife Ruqayyah (r), the daughter of Rasulullah (s). After this battle, Rasulullah (s) gave him a share from the booty equal to that of the Companions who had participated in the battle. He was also among the illustrious Companions (r) who participated in the battle of Uhud, and whose forgiveness has been announced in the Qur'an by Allah.

Piety and Worship

Usman (r) would remain in Salat all night. Very often he would fast continuously for days on end. He was fasting even on the day when he was martyred.

Whenever Hazrat Usman (r) visited a grave, he would weep until his beard would be wet with tears. Someone asked him: "How is it that the mention of Jannah and Jahannam does not make you weep as much as you weep when you visit a grave?" He replied: "The grave is the first of the many stages of the Akhirah (Hereafter). One who is successful or safe during this stage, for him the later stages will also be easy; while a person who is not exempted in this stage, for him the later stages will be even more difficult." Then he quoted Rasulullah (s) who said: "I have not seen anything more terrifying than the sight of a grave."

Personal Life

In his book, "Islam and the Earliest Muslims", Maulana Abul Hasan Ali Nadwi writes: "History bears witness to the fact that purity of Iman (faith) and unalloyed simplicity was most prominent in the life of the third Khalifa, Usman (r). He would entertain guests with sumptuous meals, but would himself take bread with vinegar. He would mostly attend to his necessities himself, and would never wake up his servants at night. "The night is theirs," he used to say if he was asked to get assistance from them. Hasan Basri (r) once saw Khalifa Usman (r) taking rest in the masjid at noon. When he got up, the marks of the pebbles were visible on his body. Such was the austere ways of the Khalifa. So concerned was he about he welfare of the people that he would often enquire about the market rates of different commodities after ascending the pulpit of the Masjid. Malik bin Shaddad relates that he saw Usman (r) on the pulpit one Friday wearing a coarse woollen sheet, hardly costing four or five dirhams.

Fairness

Hazrat Usman (r) had a slave whom he once pulled by the ear. After he had been elected as Khalifa, he asked the slave to avenge himself and insisted that the slave exact retribution. He said on the occasion: "Satisfy yourself, take your revenge in this world, so that nothing should remain for the Akhira (Hereafter)."

Modesty

Usman (r) was an extremely modest man. Once Rasulullah (s) was resting on the floor in the house of Ayesha (r) when his shin became exposed. Abu Bakr (r) asked for permission and entered the house. Then Umar (r) asked for permission and entered the house. Thereafter Usman (r) sought permission to enter. Rasulullah (s) permitted him to enter and covered his shin (properly). After they had all gone, Ayesha (r) asked Rasulullah (s) the reason for covering his shin. He replied, "Why should I not be shy of the person of whom the Malaika (Angels) are shy." (Mishkat p.560).

Perpetual Reward

Rasulullah (s) has said: "He who introduces a good sunnah (custom) in Islam earns the reward of it, plus the rewards of all who perform it after him, without diminishing their own rewards in the slightest." (Sahih Muslim).

In the context of the above Hadith, it is not difficult to imagine the lofty rank of Hazrat Usman (r). He completed the compilation of the Qur'an, that was started by Hazrat Abu Bakr (r). He did all the checking and collating of the text into a single volume. He sent its copies to all parts of the Muslim world. It is then easy to understand that with innumerable Muslims reciting, studying and practising upon this single volume until the last day, the reward of Usman (r) increases each time a Qur'an is picked up. Only Allah would know the magnitude of the reward that accumulates for Usman (r). In addition, Hazrat Usman (r) also related 146 Ahadith from Rasulullah (s).

Baytur Ridwan

When the Muslims were stopped at Hudaybiyah on their way to Umra, Rasulullah (s) appointed Usman (r) as his representative to talk to the Quraysh. When the rumour went round that Usman (r) had been killed by the Quraysh, Rasulullah (s) took the oath of allegiance (Baytur Ridwan) from the Companions. As for Usman (r), Rasulullah (s) put his own right hand on the left hand and said: "This is the hand of Usman, and I am taking the pledge on his behalf." This is yet another proof of Hazrat Usman (r)'s high status.

Regarding the Companions who took the oath of allegiance at Hudaybiyah, Allah Himself has declared: "Certainly Allah was pleased with the believers when they pledged allegiance to you (O Muhammad) under the Tree." In Sahih Bukhari and Sahih Muslim, it is mentioned that Rasulullah (s) addressed the Companions (r) at Hudaybiyah saying: "You are the best people on earth." It is also related by Umm Bishr (r) that Rasulullah (s) said: "Not one of the people that swore allegiance under the Tree (at Hudaybiyah) will ever enter the Fire (of Jahannam)." (Sahih Muslim).

Bi'r Ruma (The well of Rumah)

The well of Ruma was a well which belonged to a Jew in Madina. He used to sell its water to the Muslims. Once Rasulullah (s) said: "Who will buy the well of Rumah and give it to the Muslims in lieu of a fountain in Jannah?" Hazrat Usman (r) bought it promptly for twenty thousand Dirham and donated it for the use of all Muslims.

Tabuk

Sayeduna Usman (r) spent a great deal of his wealth in the service of Islam. As a result of this, he received the blessed Duas of Rasulullah (s) on many occasions. On the occasion of Tabuk, when the Muslims were facing severe hardship, Usman (r) equipped the Jayshul 'Usrah (Army of Hardship) with three hundred camels and one thousand gold dinars. Rasulullah (s) said: "Nothing that Usman does after today will harm him." (Mishkat pg. 561). Once during the Khilafah of Abu Bakr (r), there was a severe drought. Usman (r) presented one thousand camels laden with grains and distributed that to the poor.

Khilafat

After the martyrdom of Sayyeduna Umar (r) in 23 AH, Usman (r) was elected as the khalifah. He remained in office for 12 years. During his tenure, many lands like Armenia, Caucasia, Khurasan, Kirman, Sijistan, Cyprus, Constantinople and much of North Africa were added to the dominions of Islam. As soon as these countries were conquered, effective measures were put in place for the development of their material resources. Water canals were dug, roads made, fruit trees planted, and security given to traders by the establishment of a regular police organisation.

In 26 AH he had the grand square of the Holy Ka'ba enlarged, and in 29 AH the Holy Masjid in Madina was also enlarged and beautified at his own expense. He also issued orders to build new masjids in the conquered lands, and to extend the existing ones.

Martyrdom

Maulana Abul Hasan Ali Nadwi writes: "Nothing can illustrate the sincerity and austerity of Usman (r) more than the events leading to his martyrdom. While the insurgents had beseiged him in Madina, he calmly bade the people of Madina to go back to their homes since he did not want to fight or allow the blood of any Muslim to be shed for him. But despite his pacifist attitude, he was slain by the unruly mob while reciting the Qur'an. True to his commitment to Allah and His Rasul (s), he did not succumb to their demand of retiring from the khilafah, a trust given to him by the Muslims. He stood firm to his post till his last breath." The last words that he uttered were: "Al-Hamdulillah, tawakkaltu 'ala-Llah." praise be to Allah, I have put my trust in Allah.

When Hazrat Usman (r) was martyred, he was 82 years old. This great son-in-law of Rasulullah (s) and an illustrious star from the galaxy of the Companions (r) lies buried in Jannatul Baqee' in Madina.

Hazrat Ayesha (r) relates that Rasululah (s) said: "O Usman! Allah will don you with the mantle (of khilafah). When they ask you to remove it, do not do so (for them)." (Mishkat p.562).

Once Rasulullah (s) said: "Give glad tidings of Jannah to him, i.e., Usman. And then he will undergo a great trial." (Bukhari vol. 2 pg. 1052).

From all these Ahadith, it is clear that Rasulullah (s) knew of the impending Fitna and that Usman (r) would be martyred on the right path. Yet, Rasulullah (s) advised him to remain steadfast and exercise patience against his enemies.

Virtues

Many virtues of Usman (r) have been narrated in the Ahadith. Hazrat Talhah bin Ubaydullah (r) narrates that Rasulullah (s) said: "Every Prophet shall have a close companion in Jannah and my close friend in Jannah shall be Usman." (Mishkat p.561).

One day Rasulullah (s) accompanied by Hazrat Abu Bakr, Hazrat Umar and Hazrat Usman (r) were on Mount Uhud when it began to tremble. "Be still, Uhud!" he ordered, "for standing upon you is none besides a Nabi, a Siddeeq and two Shuhada (martyrs)." (Sahih Bukhari p.533).

Hazrat Murrah bin Ka"b (r) narrates that he heard Rasulullah (s) speak about (the era of) mischief (fitna) as though it were going to occur shortly after him. Just then Usman (r) who was wrapped in a sheet, passed them by. Rasulullah (s) said: "On that day, this man will be on the correct path." (Mishkat p.562).

Hazrat Jabir (r) says the dead body of a man was brought before Rasulullah (s) for him to perform the Janazah salat. Rasulullah (s) did not lead the salat for him. When he was asked the reason thereof, he replied: "This person used to dislike Usman, so Allah disliked him." (Tirmizi vol.2 p.212).

Hazrat Abdullah bin Umar (r) relates that Rasulullah (s) said: "Fitnah (mischief) will occur amongst you and this person (i.e., Usman) will be killed unjustly." (Tirmizi p.212 vol.2).

May Allah, the Most High, grant the greatest reward to all the Sahaba (r), and may He fill our hearts with the purest of love for them.